CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سلام دیارِ وطن

چرن جیت لال سہگل

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سلام دیارِ وطن

(سفرنامہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر)

چرن جیت لال سہگل

ادارۂ فکرِ جدید

922، کوچہ روہیلا خان، دریا گنج

نئی دہلی - 110002

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

(جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں)

ISBN. No. 81-85785-29-5

قیمت	:	ایک سو پچیس روپے -/125
اشاعت	:	2000ء
طباعت	:	انیس آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی-2
ناشر	:	ادارہ فکرِ جدید
		922، کوچہ روہیلا خان
		دریا گنج، نئی دہلی-110002

SALAM DYAR-E-WATTAN
CHARANJIT LAL SEHGAL

TRAVELOGUE
Rs. 125/=

IDARA FIKRE JADEED
922, KUCHA ROHELLA KHAN,
DARYAGANJ, NEW DELHI - 110002 (INDIA)

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri



انتساب

اپنی سکھی اماں کے چرنوں میں جنھوں نے
چالیس سال قبل جل سمادھی لی تھی۔ ان کی
بہو اس مقام سے اس قدر وحشت زدہ ہونے
لگی اور رونی صورت بنا کر وہاں سے یکدم ہٹ
گئی۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

تمہید

اس دن ہم نے مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی کے بیچ کی دیوار کو ڈھتے ہوئے دیکھا۔ ٹی۔ وی پر۔ اور یہ بھی دیکھا کہ لوگ اُس دیوار کے ٹکڑوں کو خرید کر لے جا رہے ہیں اُن ٹکڑوں کے ایک ایک ذرّے پر کیسی کیسی اَن گنت حسرت بھری نظروں، تمنّاؤں اور مجبوریوں کی گرد جمی ہوگی، اِس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ انسانی المیہ کے وہ آثار آنے والی نسلوں کے لئے ممکن ہے عبرت ناک داستان بن جائیں، اور مستقبل کے معصُوم خوابوں کی تعبیر میں حصّہ لیں۔

ہمارے یہاں کچھ ایسا ہی منظر تب دکھائی دے گا جب ریاست جموّں وکشمیر کو آزاد' اور مقبوضہ میں تقسیم کر دینے والی لکیر کا خاتمہ ہوگا۔ مگر کیا مستقبل قریب میں اِس کے ختم ہونے کا امکان ہے ؟ اِس کا جواب ڈھونڈنا اتنا آسان نہیں۔ مگر ایک بات کا مجھے یقین ہے کہ جب کوئی ملک راج صراف یا چرنجیت لال سہگل اِس پار کے جذبات لے کر وہاں جاتا ہے اور وہاں کی نیک خواہشات لے کر واپس آتا ہے تو اِس لکیر کو اپنے لئے خطرے کا احساس پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اپنے اِرد گرد کے سیاسی حالات دیکھ کر اُس لکیر کو پھر اپنے وجود کی سلامتی اور اہمیت کا احساس ہو جاتا ہے۔

سہگل صاحب کی اہلیہ شریمتی ساوتری (جو میری بڑی بہن کی طرح ہیں) شادی کے چالیس سال بعد اپنے اصلی سسرال کی زمین پر قدم رکھتی ہیں ـــــ مظفر آباد جہاں سہگل صاحب کا جنم ہوا تھا۔ وہاں اُنھیں "بے جی" ملتی ہیں۔ جن کا نام جنّت خاتون

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہے۔ وہ اُن کے میزبان دوست کی ماں ہیں۔ بے جی کو اپنے بیٹے کے دوست کی بیوی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ بہو مان کر اُسے گلے سے لگایا اور اُس کے ساتھ حقیقی ساس جیسا برتاؤ کیا۔ اُس گھر میں رہ کر شریمتی ساوتری کی زندگی میں پہلی بار اِس بات کا احساس ہوا کہ اُن کا بھی کوئی سسرال ہے، جسے غیر قدرتی بٹوارے نے اُن سے چھین لیا تھا۔

چالیس سال پہلے چھُوٹے ہوئے گھر میں پہنچ کر سہگل صاحب اُس مکان کو پہچان ہی نہ سکے۔ کیونکہ مظفر آباد کی جس گلی میں وہ مکان تھا، اُس کی سطح کو اونچا کر دیا گیا تھا، اور اُس کی وجہ سے مکان کا آنگن نیچے دھنسا ہوا نظر آتا تھا۔ اچانک اُن کی نظر دروازے پر بنی پتھر کی کرسیوں پر پڑی۔ تب انھیں یقین آیا کہ یہ اُنہی کا مکان ہے، وہ بار بار اُس گلی کا چکر لگاتے رہے اور بچپن کی بے شمار یادیں تازہ کرتے رہے۔

مکان کی خستہ حالت دیکھ کر اُن کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ مکان اُن کی پیدائش سے تینتیس ۳۳ سال پہلے کا بنا ہوا ہے۔ اُن کی عمر اِس وقت ۶۳ سال ہے۔ اِس حساب سے مکان تقریباً سو سال کا بوڑھا ہو چکا ہے۔ اُس مکان میں رہنے والے حوالدار صاحب نے بتایا کہ وہ اس مکان کا بجلی کا کرایہ ابھی تک سہگل پریوار کے نام سے جمع کرواتے ہیں۔

سہگل صاحب سے ملنے اُن کا عزیز ترین شاگرد شیخ قیوم آتا ہے۔ مُسلم کانفرنس کے صدر اور سابقہ پرائم منسٹر راجہ حمید خاں صاحب تشریف لاتے ہیں۔ بچپن کے دوست قیوم لالہ سے گلے مل کر پرانی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ وہاں کے عبدالحئی اپنے دوست ڈاکٹر سوہن لال کے بارے میں بڑے اشتیاق سے پوچھتے ہیں۔ باتوں باتوں میں لالہ گیان چند آملہ کا ذکر آیا جنھوں نے وطن چھوڑ کر جانے سے بہتر سمجھا تھا کہ مسلمان بن جائیں۔ اُنھوں نے اپنا نام شیخ عبداللہ رکھ لیا تھا۔ آخر عمر میں بڑی کسمپرسی کی حالت میں رہے اور تقسیم ملک کے بعد بیس ۲۰ سال زندہ رہے۔ سہگل صاحب اُن کی قبر پر گئے۔ وہاں سنگِ مرمر کی تختی لگی ہوئی دیکھی، جس پر لکھا تھا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

"شیخ محمد عبداللہ المعروف گیان چند عمر ۸۰ سال ۔ تاریخ وفات ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۸ء بروز منگلوار"

شیخ قیوم صاحب کے گھر کے سامنے دریائے کشن گنگا کے کنارے سہگل صاحب کو وہ مقام صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا جہاں اُن کی امّاں نے جل سمادھی لی تھی ۔ اُنھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا چلو اُس جگہ کو نزدیک سے دیکھتے ہیں ۔ مگر وہ نہیں مانیں ۔ اُنھوں نے آہ بھر کر کہا ۔ "مجھے اس طرف دیکھ کر وحشت ہوتی ہے" اور یہ کہہ کر وہ اندر چلی گئیں ۔

جس زمین کے ساتھ ایسی ایسی یادیں جُڑی ہوئی ہوں کیا اُس سے انسان کا رشتہ ٹوٹ سکتا ہے ؟ یہ غیر قدرتی لکیریں غیر اخلاقی بھی ہیں اور غیر انسانی بھی ۔ مذہب تو بھائی چارے کی زنجیر بننے کے لئے پیدا ہوتا ہے اور آدمی اُسے تلوار کا روپ دے کر رشتوں کو کاٹنے میں لگ جاتا ہے ۔ ہر مذہب یہ مانتا ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے پھر مقبوضہ زمین آزاد زمین سے الگ کیسے ہو گئی ۔ ؟ کیوں چرنجیت لال سہگل کو اپنا پشتنی مکان چھوڑ کر پردیس کو اپنا دیس بنانا پڑا ۔ ؟ کیوں کسی ساوتری کو شادی کے چالیس سال بعد صرف ایک لمحے کے لئے سسرال کے ہونے کا احساس ہوتا ہے ؟ کیوں کسی گیان چند کو شیخ عبداللہ بن کر جینا اور مرنا پڑتا ہے ۔ ؟ اور کیوں ستی ناریوں کو دریا کے بھنور میں جل سمادھی لینی پڑتی ہے ۔ ؟

یہ سارے سوال بڑی سادگی ، خلوص اور نیک دلی سے لکھے گئے اِس سفر نامے میں خود بخود اُبھر کر سامنے آئے ہیں ۔ مصنّف نے اُن پر زور نہیں دیا ۔ وہ تو صرف معصوم رشتوں کی بات کرتے ہیں ۔ چالیس سالوں کے بعد اپنے چھوٹے ہوئے وطن میں واپس جا کر دوسرے مذہب کے اُن لوگوں کے پیار و محبت سے اپنا دامن بھرتے ہیں ۔ اُن کے معصوم اور صادق جذبے کو دل کی گہرائیوں سے محسوس کرتے ہیں ۔

پچھلے برس میں نے سہگل صاحب کی " داستان ہزار دن " پڑھی تھی ، جس میں اُنھوں نے بتایا کہ درندگی اور وحشت کے اُس دور میں بھی غیر مذہب کے لوگوں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

نے کس طرح اپنی جان پر کھیل کر اُن کی حفاظت کی تھی ۔ اب چالیس برس کے بعد پھر انھیں لوگوں کے بیچ جا کر وہ شکرانہ پیش کرتے ہیں مگر بدلے میں جو محبّت اور خلوص کی دولت ملتی ہے وہ اُسے اس نئی کتاب میں بھر دیتے ہیں ۔

یہ کتاب بڑی اہم ہے ۔ بغیر کسی " ادبیت " کے سیدھے سادے انداز میں لکھی گئی یہ تحریر بڑی قیمتی ہے ۔ یہ دستاویز اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ انسان کے اندر کی سچائی ابھی زندہ ہے اور اِسی لئے اُس کا مستقبل بھی زندہ ہے ، زمین کو دو حصّوں میں بانٹنے والی لکیر ایک دن مِٹ کر رہے گی ، جرمنی کی دیوار کی طرح ۔ اور لوگ اُس لکیر کے آثار عبرت کے طور پر اپنے پاس محفوظ رکھیں گے ۔

وید راہی
بمبئی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

"سلام دیار وطن" ایک مخلص انسان حساس دل اور شفیق استاد کے تاثرات کا مجموعہ ہے۔ یہ داستان ہے نفرت پر محبّت کی فتح کی۔ یہ قصّہ ہے عظیم انسانی قدروں کی جاودانی کا۔ جو کسی بھی سیاسی یا جغرافیائی حدود کو تسلیم نہیں کرتیں۔

جناب سی۔ ایل۔ سہگل کا یہ سفرنامہ ان کی اپنی جائے پیدائش مظفرآباد کی زیارت کی کہانی ہے۔ اِس قصبہ کے ساتھ اُن کے بچپن اور جوانی کی حسین یادیں وابستہ ہیں یہیں پر اُن کی محترمہ ماتاجی کی "جل سمادھی" کا دلخراش سانحہ بھی پیش آیا۔ یہاں امبور کمپ میں وہ تقریباً محبوس بھی رہے۔ لیکن وہ اُجاگر کرنے میں صرف خوشگوار واقعات کو۔ وہ تحسین پیش کرتے ہیں اپنے شاگردوں کو ملک مظفر اور ان کے اہل خانہ خصوصاً "بے جی" اور مظفر صاحب کی ہمشیرہ کو۔ اور تاثر دیتے ہیں کہ ناخوشگوار واقعات تو محض حادثاتی تھے۔ کوئی حقیقت پائندہ ہے تو وہ ہے محبت، دوستی، رواداری اور پائیدار انسانی قدریں۔ یہ ہی دراصل "سلام دیار وطن" کا پیغام ہے۔

ایم۔ ایم۔ کھجوریہ

"ساحل"
گاندھی نگر جموں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

اس کتاب میں کوئی پلاٹ نہیں، کوئی مضمون نہیں، کوئی مسئلہ نہیں اور کوئی نظریہ بھی نہیں۔

بظاہر سفر نامہ ہے، جموں سے لاہور، راولپنڈی، اسلام آباد اور مظفر آباد تک۔

مگر سفر نامہ میں کوئی ڈرامائی واقعہ نہیں، سفر کی جادو بیانی ہے نہ کوئی حسین منظر کشی

پھر بھی جذبات ہیں، جو الفاظ کی گرفت میں نہیں آرہے ہیں کورے قسم کے جذبات۔

مگر پاک اور ستھرے جذبات۔

انسانی رشتوں کے جذبات۔

سانجھی نسل، زبان اور کلچر کے رشتے۔

وطن کی آزادی سے قبل، مذہب کے نام پر خون کی ایسی ندی بہی، جو ان رشتوں کے درمیان حائل ہو گئی تھی۔

لاکھوں، کروڑوں لوگ دیس سے پردیس ہو گئے۔ اپنے اپنوں سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے۔

ملک کے نقشہ پر جو خونی لکیر کھنچ گئی، بدگمانیوں، اندیشوں اور سیاسی نقاضوں کی وجہ سے گہری ہوتی گئی۔

اور پڑوسی دیشوں کے درمیان فاصلہ دراز ہوتا گیا۔

مگر آبائی وطن اور بیتے ہوئے دِنوں کا نوسٹیلجیا NOSTAGIA اکثر حساس دِلوں کو برابر تڑپاتا رہا۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

اگرچہ جموّں اور مظفرآباد کے درمیان سیاسی فاصلہ بڑھتا گیا چرنجیت لعل سہگل اور ملک مظفر کے دلوں کی قربت بھی بڑھتی گئی۔

سہگل اور ان کی دھرپتنی کو دلوں کی یہ کشش مظفرآباد تک لے گئی۔

اپنے گھر میں اپنوں سے پھر ملنے کا انوکھا تجربہ تھا۔

اپنا گھر جو اپنا نہ رہا - اپنے جو پھر کبھی نہ مل سکیں گے شاید۔

سہگل کٹھور حقیقت کے خلاف شکایت کرتے ہیں نہ پروٹسٹ۔

مگر کتاب کا لفظ لفظ پکارتا ہے کہ

سرحد کے آر پار لوگ آج بھی دوستی اور محبت کے بھوکے ہیں۔

قسمت کی ریکھاؤں کی طرح یہ سرحدیں بھی اٹل ہو چکی ہیں۔

مگر ان سرحدوں پر نفرت اور شکوک کی خلیج کیوں بنائی جا رہی ہے؟

دوستی اور محبت کے پل کیوں نہیں بن سکتے؟

ایک طرف خلیج کو وسیع کرنے کے عظیم منصوبے اور دوسری طرف سہگل کی کتاب پل باندھنے کی نحیف سی کوشش۔

سوال یہ نہیں کہ یہ کوشش کامیاب ہوتی ہے یا نہیں اور کب ہوتی ہے؟ بلکہ یہ ہے کہ آپ اس کے ساتھ ہیں یا خلاف؟

کرن نگر، جموں   بلراج پوری

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

دو باتیں

سلام دیار وطن میری دوسری تصنیف ہے چند سال قبل میں نے ایک کتاب داستان ہزار دن کے نام سے لکھی تھی۔ اس کی اشاعت ۱۹۸۷ء میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب میں میں نے ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۵۰ء تک کے ریاست جموں و کشمیر کے اس حصّہ کے جو پاکستان کے قبضہ میں ہے۔ گو ان واقعات کو میں نے ۳۹ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد تحریر کیا لیکن میری یادداشت نے میرا مکمل ساتھ دیا اور میں نے اس وقت جو کچھ دیکھا تھا، محسوس کیا تھا اُسے ایمانداری اور خلوص سے بیان کیا یہ خلوص بیانی ہی اس کتاب کے مقبول ہونے کا باعث بنی۔ ناظرین نے میری اس کوشش کو تقسیم وطن کے وقت لکھی گئی عام داستانوں سے مختلف غیر معمولی اور اچھوتی داستان کا درجہ دیا۔

سلام دیار وطن ایک سفرنامہ ہے لیکن اس میں سفر کی کوئی جادو بیانی نہیں بلکہ وہاں کے رہنے والوں کے پرخلوص خدمات کو سیدھے سادھے ڈھنگ سے بیان کیا ہے میں اپنی بیوی ساوتری سہگل کے ساتھ دہلی سے لاہور گیا وہاں ایک دو دن قیام کر کے ہم اسلام آباد گئے اسلام آباد سات آٹھ دن اپنے دوست کے پاس ٹھہرنے کے بعد اپنی جنم بھومی مظفر آباد گئے۔ وہاں جانے کا میرا ایک مقصد یہ تھا کہ اپنے دوستوں اور شاگردوں سے مل سکوں وہاں ہی مجھے اپنی بیوی کو اس کے سسرال اور اپنے جدی مکان کی ایک جھلک دکھانا بھی مقصود تھا۔ میری یہ جاننے کی آرزو بھی تھی کہ ان

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

چالیس سالوں میں وہاں کیا کیا تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور وہاں کے لوگوں کی اب عام حالت اور ان کی سوچ کیسی ہے ان سب چیزوں کا مشاہدہ کرنے کا مجھے ہمیشہ اشتیاق رہتا تھا۔ یہ ہی اشتیاق مجھے مظفر آباد تک کھینچ کر لے گیا۔

اسلام آباد میں قیام کے دوران ایک دن میں اور ساوتری بس میں راولپنڈی گھومنے گئے ہمیں وہاں سارا دن گھومتے گھومتے کوئی فرق نہیں محسوس ہوا کہ ہم ہندوستان کے کسی شہر میں ہیں یا پاکستان میں گھوم رہے ہیں۔ بس میں کوئی مجھے چچا کہہ کر مخاطب ہوتا کوئی بزرگو کے نام سے پیش آتا۔ ہم نے کچھ چھوٹی موٹی چیزیں خرید کیں اور ایک رستوران میں مٹھائی اور پیپسی کو لا نوش کیا۔ شام ہونے سے پہلے پہلے اسلام آباد ملک منزل واپس آ گئے۔

مظفر آباد میں ہمارا قیام دو تین دن کے لئے ہی تھا لیکن ہمیں وہاں بہت سے آشنا ملے جن میں کچھ ہمارے ہم عمر دوست بزرگ اور زیادہ تر عزیز تھے جو میرے پاس تعلیم حاصل کرتے رہے جب میں ہندوستان آنے سے پہلے وہاں مقامی ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر کے فرائض سرانجام دیتا رہا تھا۔ ہم اسلام آباد سے ملک صاحب کی کار میں بیٹھ کر مظفر آباد دو تین بجے لگ بھگ پہنچ گئے تھے جو سب سے پہلے ہمیں ملنے کے لئے تشریف لائے وہ وہاں کے سابقہ وزیر اعظم راجہ حمید خاں صاحب تھے۔ میں ان کے لئے ان کے ایک دوست کا خط لایا تھا اور میں نے ٹیلی فون پر انھیں اپنے آنے کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ دوسرے دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا خط پیش کروں گا۔ شاید ان سے اتنا صبر نہیں ہو سکا اس لئے وہ خود ہی ایک ڈیڑھ کلومیٹر کی مسافت پیدل ہی طے کر کے تشریف لائے۔ جناب خان صاحب جوانی میں نہایت خوبصورت اور کھیل کود میں حصہ لینے والے نوجوان رہے ہیں لیکن اب قدرے ضعیف دکھائی دے رہے تھے اور بینائی بھی کمزور تھی آپ جون ۱۹۷۵ء میں آزاد کشمیر کے پہلے وزیر اعظم منتخب ہوئے تھے اور ڈھائی سال سے زائد عرصہ تک اس عہدہ پر فائز رہے آپ ایک جاگیردار ہونے اور وزیر اعظم رہنے کے باوجود بھی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

نہایت ہی سادہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ نہ ہی کوئی گھوڑا گاڑی اور نہ ہی چنداں نوکر چاکر ہی رکھے تھے۔ میں اپنے دوران قیام مظفر آباد بڑے سے بڑے با اختیار افراد سے بھی مل سکا اور چھوٹے سے چھوٹے پیشہ ور کارکنوں سے بھی ملا۔ سب کے دل میں اپنے بچھڑے ہوئے غیر مسلم بھائیوں کے لئے عزت، خلوص اور محبت بھرے جذبات موجزن تھے۔

مظفر آباد کی آبادی تقسیم سے پہلے سات ہزار کے لگ بھگ تھی جب کہ اب اسی شہر کی آبادی ستر ہزار بیان کی جاتی ہے بہت سے لوگ باہر سے آکر وہاں آباد ہو گئے ہیں مقامی لوگ ابھی تک ان کو مہاجر کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ ان کی الگ ہی پہچان عرصہ چالیس سال سے بدستور چلی آرہی ہے۔

ریاست جموں کشمیر کا کل رقبہ دو لاکھ بائیس ہزار دو صد چھتیس کلومیٹر ہے جسمیں اٹھہتر ہزار دو صد اٹھارہ کلومیٹر پاکستان کے قبضہ میں ہیں۔ اس رقبہ کا چھٹا حصہ یعنی تیرہ ہزار دو صد ستانوے کلومیٹر رقبہ ہی ایسا ہے جسکو وہ لوگ آزاد کشمیر کہتے ہیں اور جہاں جمہوری حکومت مانی جاتی ہے باقی کا چوسٹھ ہزار نو صد اکیس کلومیٹر کا علاقہ سیدھا پاکستان کی مرکزی حکومت کی عملداری میں ہے اس چھوٹے سے حصہ میں ملٹری کے زیر سایہ پہلی بار چوبیس اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ایک سول نظام وجود میں آیا تھا جسکا صدر مقام راولپنڈی شہر کی ایک عمارت میں مقیم تھا جسکو انھوں نے جموں کشمیر کے ایک گاؤں ترڑاڑ کھل کا نام دیا۔ اس حکومت کے سربراہ صدر سردار محمد ابراہیم خان تھے۔ تب سے مندرجہ ذیل ترتیب سے صدر صاحبان مقرر ہوتے رہے۔

(۱) سردار محمد ابراہیم خان ۱۹۴۷-۱۰-۲۴ سے ۱۹۵۰-۵-۱۲ تک

(۲) کرنل سید علی احمد شاہ ۱۹۵۰-۵-۱۲ سے ۱۹۵۱-۱۲-۴ تک

(۳) میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف ۱۹۵۱-۱۲-۵ سے ۱۹۵۲-۶-۲۰ تک

(۴) کرنل بشیر احمد ۱۹۵۲-۶-۲۱ سے ۱۹۵۶-۵-۳۰ تک

(۵) میر واعظ کشمیر مولانا محمد یوسف ۱۹۵۶-۵-۳۱ سے ۱۹۵۶-۹-۷ تک

(۶) سردار محمد عبد القیوم خاں ۱۹۵۶-۹-۸ سے ۱۹۵۷-۴-۱۲ تک

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

(۷)	سردار محمد ابراہیم خان	۱۹۵۷-۴-۱۳ سے	۱۹۵۹-۴-۳۰ تک
(۸)	مسٹر خورشید حسن خورشید	۱۹۵۹-۵-۱ سے	۱۹۶۴-۸-۶ تک
(۹)	جسٹس خان عبدالحمید خان	۱۹۶۴-۸-۷ سے	۱۹۶۹-۱۰-۷ تک
(۱۰)	بریگیڈیر عبدالرحمٰن	۱۹۶۹-۱۰-۸ سے	۱۹۷۰-۱۱-۱۱ تک
(۱۱)	سردار محمد عبدالقیوم خان	۱۹۷۰-۱۱-۱۲ سے	۱۹۷۵-۴-۱۵ تک
(۱۲)	شیخ منظر مسعود	۱۹۷۵-۴-۱۶ سے	۱۹۷۵-۶-۴ تک
(۱۳)	سردار محمد ابراہیم خان	۱۹۷۵-۶-۵ سے	۱۹۷۸-۱۰-۳۰ تک
(۱۴)	بریگیڈیر محمد حیات خان	۱۹۷۸-۱۰-۳۱ سے	۱۹۸۳-۱-۳۱ تک
(۱۵)	میجر جنرل عبدالرحمن خان	۱۹۸۳-۲-۱ سے	۸۵ اگست تک
(۱۶)	سردار عبد عبدالقیوم خان	اگست ۱۹۸۵ سے	تاحال

وہاں ۱۹۷۵ء میں انتخاب ہوئے تھے اور خان عبدالحمید خان جون ۱۹۷۵ء میں پہلے وزیراعظم مقرر ہوئے تھے ان کا دور حکومت ۱۱ ر اگست ۱۹۷۷ء تک رہا اور اس کے بعد صدر "آزاد کشمیر" کی حکومت کے زیر سایہ ایگزیکٹو صاحبان حکومت کی دیکھ بھال کرتے رہے ان کا دور اس ترتیب سے رہا۔

(۱)	میجر جنرل ریٹائرڈ عبدالرحمٰن	۱۹۷۷-۸-۱۲	تا	۱۹۷۷-۱۰-۳۰
(۲)	بریگیڈ محمد حیات خان	۱۹۷۷-۱۱-۱	تا	۱۹۸۳-۱-۳۱
(۳)	میجر جنرل ریٹائرڈ عبدالرحمٰن	۱۹۸۳-۲-۱	تا	۱۹۸۵-۶-۱۴

دوبارہ وہاں ۱۹۸۵ء میں انتخاب ہوئے اور مسلم کانفرنس کے سردار سکندر حیات خان وزیراعظم منتخب ہوئے۔ اب وہاں تیسری بار محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ کے دور حکومت میں ۲۳-۵-۱۹۹۰ کو انتخاب ہوئے جن میں محترمہ بھٹو صاحبہ کی سیاسی کاوشوں کے طفیل پیپلز پارٹی کی حکومت بنی اور سردار ممتاز حسن راٹھور نے وزیراعظم کا قلمدان سنبھالا۔ تب ہی محترمہ بھٹو صاحبہ نے سلطان محمد چوہدری جو کہ آزاد مسلم کانفرنس سے تعلق رکھتے ہیں اپنی پارٹی کی طرف سے صدر کے عہدہ کے لئے نامزد کیا تھا لیکن جب اگست ۱۹۹۰ میں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

صدارتی انتخاب کا عمل ہوا تو محترمہ بھوٹو صاحبہ کی حکومت برخاست ہو چکی تھی اس لئے سلطان محمد چوہدری صدر منتخب نہیں ہو سکے بلکہ سابقہ صدر مسلم کانفرنس کے سردار عبدالقیوم خاں ہی دوبارہ صدر منتخب ہوئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سردار محمد ابراہیم خان جو پی پی پارٹی کے وہاں کے صدر رہیں محترمہ بھوٹو صاحبہ سے اس لئے نالاں ہیں کہ ان کو وزیر اعظم نہیں بنایا گیا اور اس بنا پر انھوں نے بھی اپنی پارٹی کے امیدوار کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ سب کچھ تو اپنی جگہ ہے لیکن وہاں کی نوکرشاہی اصل میں حکومت چلا رہی ہے۔ جس کے سربراہ وہاں کے چیف سیکریٹری ہیں جن کی تقرری حکومت پاکستان کے ہاتھ میں ہے۔

جب میں اور ساوتری اس سفر پر وہاں گئے تھے اُس وقت وہاں محترمہ بے نظیر بھوٹو صاحبہ کی حکومت تھی ایک طویل عرصہ تک جنرل ضیا صاحب کی فوجی دور حکومت کے خاتمہ کے بعد چند ماہ ہی ہوئے تھے جبکہ جمہوریت کی بحالی کے نتیجہ کے طور محترمہ بھوٹو صاحبہ کی اقتدار میں آئی تھیں تب ہی کچھ عرصہ پہلے اسلام آباد میں سارک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جسمیں ہمارے اس وقت کے وزیر اعظم شری راجیو گاندھی نے بھی شرکت فرمائی تھی انھوں نے وہاں شکر پڑیاں کے مقام پر خیرسگالی کے طور پر ایک پودا بھی لگایا تھا۔ وہ ایک ایسا دور تھا جب دونوں ملک کوشاں تھے کہ ان کے آپسی تعلقات میں سدھار ہو جسکی وجہ سے فضا میں خوشگوار تبدیلی آرہی تھی۔

میری پیدائش ایک ہندو گھرانے میں ہوئی اور میں ہجرت کر کے ہندوستان آگیا اس لئے فطرتی طور پر میرا لگاؤ ہندوستان کے ساتھ ہے یہ لگاؤ دو سمت سے ہے ایک جغرافیائی لحاظ سے دوسرا قومیت کے لحاظ سے اسی طرح میرے وہاں کے مسلمان دوستوں کا جبکہ یہ لگاؤ تقسیم سے پہلے ہندوستان سے تھا لیکن اب یہ پاکستان کے ساتھ ہے۔ ہندوستان میں سب مذاہب کے لوگ ہیں اور سب کا لگاؤ اپنے ملک کے ساتھ ہونا بہت حد تک فطرتی ہی ہے پھر بھی مجھے کبیر جی کا ایک دوہا یاد آتا ہے۔

پتا ٹوٹا ڈال سے یوں لے گئی اُڑائے   اب کے بچھڑے کب ملیں گے دور پڑینگے جائے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

مسئلہ تناسخ جسکا ذکر کبیرجی نے کیا ہے اس کو تو ہم ملتے ہیں اِس طرح اگر اِس جغرافیائی ڈال سے ٹوٹ کر میں اپنے اعمال کی پون کے بہاؤ میں بہتا ہوا ملیشیا۔ نیپال یا کسی دوسرے خطہ ارضی میں دوبارہ نمودار ہوں تو میرے تمام ترلگاؤ بالکل مختلف ہونگے میں تو سرسری طور پر کبھی کبھی ایسا سوچتا ہوں لیکن یہ مسئلے بڑی گہری سوچ کے موضوع ہیں اس لئے بڑے بڑے مفکر ہی ان پر سیر طلب بحث کرنے کے مجاز ہیں لہذا اس مسئلہ کی اہمیت ناظرین پر ہی چھوڑتا ہوں۔

ہمارے سفر کے دوران دونوں ممالک کے سیاستدان حالات کو خوشگوار بنانے کے لئے کوشاں تھے شاید اُس وقت وہ موقف ان کی گدی کی سلامتی کے حق میں تھا۔ مئی ۱۹۹۰ء میں پاکستانی کشمیر میں انتخابات ہونے تھے اس لئے محترمہ بھٹو صاحبہ نے کشمیر کا مسئلہ زندہ کرنے کے ضیا نواز طاقتوں سے سبقت حاصل کرنے کی ٹھان لی انھوں نے پاکستانی کشمیر کے طوفانی دورے کئے اور دھواں دھار تقاریر میں ہندوستانی عوام۔ لیڈرشپ اور سب کو خوب دل کھول کر برا بھلا کہا یہاں تک کہ ہزار سال تک جنگ جاری رکھنے کی دھمکی دی پاکستان کے دونوں دھڑوں میں کشمیری عوام کا ہیرو بننے کی ہوڑ شروع ہو گئی اس طرح سے محترمہ بھٹو صاحبہ نے کشمیر کے انتخابات تو جیت لئے لیکن اسی دوران سندھ میں حالات اِس قدر خراب ہو گئے اور فوج سے ان کے تعلقات کی درار اتنی گہری ہو گئی جس سے انہیں اپنے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا۔

اب جب کہ دونوں ممالک کے حالات نہایت کشیدہ ہیں کہ ہر وقت جنگ جیسی کیفیت بنی ہوئی ہے مجھے حال ہی میں اپنے ایک دوست کی چٹھی موصول ہوئی ہے جس سے عیاں ہے کہ ہمارے پیار بھائی چارے اور خلوص میں سیاستدانوں کے جنون سے کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی کبھی ہو گی بھی۔

چرنجیت لال سہگل

جموں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

جائے پیدائش

میری پیدائش ۲۲ ر اپریل ۱۹۲۶ء کو شہر مظفر آباد ضلع مظفر آباد ریاست جموں و کشمیر میں ہوئی ہے ایسا ریکارڈ میں درج ہے۔ اب بھی جب کبھی جائے پیدائش کا اندراج کرنا ہوتا ہے تو مجھے اپنی جائے پیدائش مظفر آباد ہی تحریر کرنی ہوتی ہے یہ درست ہے میں ہندوستان کا شہری ہوں میری قومیت ہندوستانی ہے مظفر آباد پاکستان کے زیر قبضہ جموں کشمیر کے اس حصّہ کا صدر مقام ہے جس کو وہ لوگ آزاد جموں و کشمیر کہتے ہیں اور اس طرف کے باشندے اُس کو مقبوضہ جموں / و کشمیر کے نام سے پکارتے ہیں پھر بھی میری جائے پیدائش تو مظفر آباد ہی ہے جس کو مجھے ۱۹۵۰ میں ناموافق حالات میں چھوڑ کر ہندوستان فرار ہو آنا پڑا تھا۔

کچھ عرصہ خانہ بدوشی کی حالت میں رہا اب جموں میں رہائش پذیر ہوں اس لئے جموں کا رہنے والا بن گیا ہوں۔ جب اپنی جانکاری دینے کے لئے اپنا مذہب درج کرنا ہوتا ہے تو ہندو مذہب بیان کرتا ہوں کیونکہ ہندو کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ باقی مذاہب کی دینی کتابوں کے ساتھ ہندو دھرم کی دینی کتب کا بھی مطالعہ کیا ہے۔ بہت عرصہ پہلے رگ وید اور گیتا کا مطالعہ ایک ودھوان پنڈت جی کی زیر رہنمائی کیا تھا۔ اب کچھ عرصہ پہلے اُنشد ارنیکم اور بہت سے دیگر گرنتھوں کا مطالعہ بھی کر سکا ہوں لیکن جنیو نہیں پہنتا چوٹی نہیں رکھتا نہ ہی مندر جاتا ہوں دیگر بہت سے توہمات کو بھی قبول نہیں کرتا جیسے ہمارے ہاں کچھ دن گرم مانے جاتے ہیں کچھ دن ٹھنڈے کچھ دن سفر کے لئے اچھے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہیں کچھ دن نہیں لیکن میرے لئے سب دن برابر ہیں مجھے جب سفر کرنا ہوتا ہے تو خدا کا نام لیکر جس دن بھی چل نکلوں وہ ہی شبھ دن ہے۔ جیسے مسلمان بھائی جو بھی کام کرتے ہیں بسم اللہ کر کے شروع کرتے ہیں اور وہ ان کے لئے شبھ ہوتا ہے اس پر مجھے ایک مسلمان سکریٹری صاحب کی یاد آرہی ہے وہ سفر کرنے کے لئے مہورت کو مانتے تھے بسم اللہ تو کرتے ہی تھے لیکن کچھ دنوں کو سفر کرنے کے لئے مُضر مانتے تھے مثلاً وہ سنیچروار کو سفر کرنے سے قاصر تھے۔

میں ایک دن کسی شبھ کام کے لئے جموں سے باہر جانا چاہتا تھا میری ڈیوٹی جموں میں تھی اور یہ سکریٹری میرے حاکم اعلیٰ تھے۔ ان کا ہیڈ کواٹر سری نگر تھا۔ میں نے اُس دن صبح ہی جانے کی تیاری کرلی بستر و دیگر سامان پیک کر دیا تاکہ شام کی گاڑی سے آسانی سے سفر کے لئے نکل سکوں دفتر جاکر سکریٹری صاحب سے ٹیلی فون پر چھٹی اور سٹیشن چھوڑنے کی درخواست کی اُدھر سے اُن کا فرمانا تھا کہ وہ اگلے دن میرے دفتر کا معاینہ کرنے کے لئے جموں تشریف لارہے ہیں اور انھوں نے سفر کے لئے مہورت بھی ٹھیک کرلیا ہے اس لئے میں کیسے جاسکتا تھا (دوسرے دن انھوں نے سری نگر سے آنا تھا اور اس سے اگلے دن ہی اُن کی میرے دفتر میں معاینہ کرنے کیلئے تشریف آوری تھی) میں نے اس دن صبح جلدی ہی دفتر پہنچ کر ضروری تیاری کر کے صاحب کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔ جب بہت دیر تک تشریف نہیں لائے تو پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو ہسپتال میں زیر علاج ہیں جموں آنے کے بعد سڑک پار کرتے ہوئے ان کی ایک سائیکل سوار سے ٹکر ہونے کی وجہ سے شدید زخمی ہوگئے تھے اس طرح سے میری اُن کی ملاقات بجائے دفتر کے ہسپتال میں ہوئی عمر رسیدہ ہونے کے باعث ان کی صحت یابی میں بہت دن لگے میں ہر روز ان کی عیادت کے لئے ہسپتال جاتا تھا اور ان کی حتی الوسع خدمت سرانجام دیتا رہا اس لئے میں شبھ کام کے لئے نہیں جاسکا شاید مہورت ٹھیک نہیں ہوگی۔

میرا عقیدہ ہے شو میرا پتا ہے گوری میری ماتا ہے اور وسودیو میرا کٹمب پریوار ہے۔ میں ارادے کا کچھ کمزور ہوں اس لئے کبھی کبھی حالات سے سمجھوتہ بھی کرلیتا ہوں لیکن

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

عقیدہ تو یہ ہے کہ پارسی، عیسائی اور سب ہی اس رشتے میں میرے بھائی ہیں مسلمان تو ہمارے بھائی ہیں ہی وہ تو ہمارا ہی ایک حصّہ ہیں انگریزوں نے اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے دو قومی نظریہ کو جنم دیا جس کو کچھ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے ہمارے کچھ رہنماؤں نے آزادی سے پہلے استعمال کیا اس نظریہ کو استعمال کرکے وہ اپنے لئے زیادہ مراعات حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ ملک کا بٹوارہ ہوگیا دو قومیں وجود میں آگئیں لیکن یہ دو قومیں ہندو اور مسلمان نہیں تھیں بلکہ ہندوستانی اور پاکستانی علاقے کے باشندے بنگلہ دیش بننے کے بعد اب یہ تین قومیں ہو چکی ہیں بٹوارے کے وقت موجودہ پاکستان اور بنگلہ دیش کی آبادی لگ بھگ آٹھ کروڑ تھی اور بھارت میں مسلمانوں کی تعداد اس سے زیادہ تھی۔ اس وقت صرف پاکستان کی آبادی دس کروڑ ہے اور بنگلہ دیش کی آبادی بھی دس کروڑ سے کچھ زیادہ ہے بھارت کی آبادی لگ بھگ اسّی کروڑ ہے جس میں مسلمان بھائیوں کی آبادی پاکستان کی کل آبادی سے زیادہ ہے اور ان کی قومیت ہندوستانی ہے اس طرح سے دو بھائی دو قوموں میں بٹ گئے۔

۱۹۴۶ء – ۴۷ کے شروع میں میں لاہور میں ہی تھا۔ پنجاب میں جناب خضر حیات خاں صاحب کی حکومت تھی وہ یونینسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے تھے تب کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا ہندوؤں اور مسلمانوں میں اس قدر نفرت پیدا کر دی جائے گی کہ وہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن جائیں گے ملک بٹ جائے گا اور لاہور جو کبھی ہندوؤں مسلمانوں کی روح تھا ایک طبقہ کے لئے پردیس ہو جائے گا۔ ایک بھائی اس کا مالک بن جائے گا اور دوسرے کی پہنچ سے بہت دور ہو جائے گا۔ بہر حال جو کچھ نہیں ہونا چاہیئے تھا ہو کر رہا اور ہمیں قبول کرنا پڑا۔

آزاد ہندوستان میں سوشل ازم۔ سیکولرازم۔ جمہوریت وغیرہ بنیادی اصول مانے جاتے ہیں۔ یہ ایک ملک ہے جہاں ایک قوم رہتی ہے۔ ہم گاندھی کے پیروکار ہیں مذہبی رواداری اور اہنسا کے پرچارک ہیں یہ گوتم اور نانک کی دھرتی ہے یہاں ان گنت صوفی سنت ہوئے ہیں جنھوں نے وحدت کا درس دیا ہے جو انسانی بھائی چارے کے علم بردار ہیں جنھوں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

نے ساری دنیا کو بھائی چارے کا سبق دیا۔ لیکن یہاں بھی شاید انجانے میں کچھ ایسی بنیادی غلطیاں ہو گئی ہیں یا شاید سیاسی اغراض کی خاطر ان اصولوں کو نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ پنجاب جس نے ۱۹۴۷ میں بھیانک فرقہ وارانہ قتل و غارت دیکھی آج وہاں ایک علیحدہ سیکھ قوم پیدا ہو رہی ہے یہ بات سب ہندوستانیوں کے لئے باعث تشویش تو ہے ہی لیکن میرے لئے باعث حیرانی بھی ہے۔ میرا بڑا داماد جو ایک بڑا ڈاکٹر ہے اور مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہے اور وہ بھی مجھ سے بڑے بیٹے جیسا برتاؤ اور پیار کرتا ہے جاٹ سِکھ ہے۔ میں اپنے بیٹے جیسے داماد سے جدا تو ہو ہی نہیں سکتا تو اس حالت میں ہماری قوم کون سی ہو گی۔

یہاں مجھے اپنی زندگی کا سب سے اہم واقعہ یاد آ رہا ہے جوانی میں میری ایک دوشیزہ سے ملاقات ہوئی وہ مجھے اچھی لگنے لگی۔ میں غیر ارادی طور پر اس کی طرف کھنچتا چلا گیا شاید مجھے اس سے محبت ہو گئی جو اندر ہی اندر سلگتی رہی لیکن اظہار کرنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی ہم ایک دوسرے سے ملتے تھے باتیں کرتے تھے چاہت بڑھتی رہی یہ کیوں ہو رہا ہے اور کیسے بڑھ رہا ہے یہ ہماری سمجھ سے باہر تھا اس کو کس انجام پر لانا ہے ہم نے کبھی سوچ ہی نہیں پایا۔ ہم دونوں کے جان پہچان والے ایک ڈاکٹر صاحب تھے ایک دن اُس دوشیزہ نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب چاہتے ہیں کہ مجھے ان کی سالی صاحبہ سے شادی منظور ہو گی کہ نہیں۔ اس کے جواب میں میرے منہ سے اچانک بغیر کسی سوچ سمجھ اور ارادے کے یہ فقرہ نکل گیا کہ "آپ کا ایسا کرنے کا کیا ارادہ ہے" شاید یہ پہلی بار کچھ اظہار محبت تھا یا آرزو کی گذارش جس کا جواب خاموشی کے سوا کچھ نہ ملا۔ میں نے سوچا خاموشی نیم رضا ہی ہوتی ہے۔

لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا جیسا کہ میں سمجھ رہا تھا۔ اس دوران مجھے معلوم ہوا کہ یہ دوشیزہ تو نہایت ہی اونچی ذات سے تعلق رکھتی ہے اور میں اس کے مقابلہ میں نیچی ذات کا ہوں اور یہ شادی تو شاستروں کے مطابق ہو ہی نہیں سکتی مجھے ان سب باتوں کا علم ہی نہیں تھا کافی ہنگامہ ہوا۔ میں کچھ کمزور ارادے کا انسان ہوں ہی اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ لیکن

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

وہ دوشیزہ مضبوط ارادے کی مالک ہے اُس کے عزم سے مجھے بھی سہارا ملا۔ اُن کے کچھ بزرگوں اور عزیزوں کی بروقت مدد سے ہم دونوں شادی کے پوتر بندھن میں بندھ ہی گئے اس طرح ہماری محبت ایک نامراد محبت کا افسانہ بننے سے بچ گئی۔ ورنہ ہمارے نام کا اندراج بھی لیلہ مجنوں جیسے نامراد چاہنے والوں کی فہرست میں ہو جاتا۔ اس نیک خاتون کا ذات پات کے بندھن توڑ کر میری رفیقۂ حیات بننے سے میری زندگی کا دھارا ہی بدل گیا۔ کہاں میں ایک خانہ بدوش قسم کا انسان تھا جس کے پاس دو جوڑے کپڑے اور ایک کمبل کے سوائے کچھ نہیں تھا۔ اب تو ان کی آمد سے ہر ایک چیز میسّر ہے بچپن میں میری بڑی لڑکی کو اس کی موسیاں اور مامیاں اکثر چڑاتی تھیں کہ نیلم تم براہمن ہو کہ کھتری اس کا جواب توتلی زبان میں ہوتا تھا ہم ان سان ہیں۔ کبھی کبھی اسے کہتے کہ نیلم تم پھر ان سان ہو۔

کہنے کو تو ذات پات ماننا ایک جرم ہے لیکن خود ہمارے سیاست دانوں نے اس ذات پات کو ووٹ حاصل کرنے کا ایک ڈھنگ بنا رکھا ہے باوجود آزاد خیالی کے بھی اس ذات پات کا چکّر زیادہ مضبوط تر ہوتا جا رہا ہے اس پر مجھے ایک میرزادے یعنی میراسی کا قصہ یاد آ رہا ہے یہ میرزادے ہمارے سماج کا ایک حصّہ ہیں وہ ہماری ہر خوشی میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور ہمیشہ خدا سے دعا گو رہتے ہیں کہ سب کے گھر میں ہمیشہ خوشیاں ہی خوشیاں برستی رہیں تاکہ ان کی روزی روٹی چلتی رہے ایک بار شرادھوں کے دن تھے اس لئے میرزادے کا کام بند تھا اور نوبت فاقہ کشی کی آ گئی تھی، اُدھر براہمنوں کو روز اچھے اچھے کھانے کھلائے جا رہے تھے میرزادہ بھی کسی دوسری بستی میں جہاں اس کو کوئی نہیں جانتا تھا پہنچا اور براہمن کا روپ رنگ بنا کر باقی براہمنوں کے ساتھ برہم بھوج کرنے بیٹھ گیا اس کو پہلی بار بھوج میں شریک ہوتا دیکھ کر ایک براہمن دیوتا نے سوال کیا آپ کو کبھی دیکھا نہیں آپ کون ہوتے ہیں میرزادے حاضر جواب ہوتے ہیں اس لئے جھٹ سے جواب دیا براہمن ہوتا ہوں اِس پر اس کی دوسری طرف بیٹھے دیوتا نے پوچھا کون براہمن۔ میرزادے اکثر ہندوں کے گھروں میں بیاہ شادیوں اور دیگر خوشی کے موقعوں پر آتے جاتے رہتے ہیں اس لئے اُس کو براہمنوں کی موٹی موٹی ذاتیں تو معلوم ہی تھیں اس لئے بغیر کسی تاخیر کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

بول اٹھا گوڑھ براہمن یہ سُن کر بھی براہمن دیوتاؤں کی تسلی نہیں ہوئی تو ایک نے مزید پوچھا "کون گوڑھ" یہ تو میرزادے کو پتہ ہی نہ تھا کہ گوڑھ براہمنوں کے بھی اقسام ہوتی ہیں اور اس کا جواب تو وہ دے ہی نہیں سکتا تھا اس لئے گھبراہٹ میں اس کے منہ سے نکل گیا" یا اللہ گوڑھ میں بھی گوڑھ ہوتے ہیں" میرزادے کا اتنا کہنا تھا کہ تمام کے تمام براہمن دیوتا اُٹھ کھڑے ہو گئے ان کا دھرم بھرشٹ ہو رہا تھا میرزادے کی وہ پیٹائی ہوئی کہ زندگی بھر یاد رہی اور کبھی براہمن دیوتا کا سوانگ بھرنے کی جرأت نہیں کرے گا اس کی بھوک تو رہی گئی تھی بلکہ اس کے لئے وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہو رہا تھا۔

میں بھی عجیب انسان ہوں ذکر ہو رہا تھا اپنی جائے پیدائش کا اور نکل گیا کہاں سے کہاں یہ بڑی بڑی باتیں پیچیدہ سیاسی مسئلے میری سمجھ سے باہر ہیں بہر حال یہ تو درست ہے کہ میری جائے پیدائش یا جنم بھومی مظفر آباد ہی ہے اتنا ہی نہیں وہاں میں نے زندگی کی پچیس بہاریں دیکھی ہیں وہاں کی گلیوں میں میرا بچپن کھیلا ہے وہاں میں نے اچھے دن بھی دیکھے ہیں اور برے دن بھی وہاں ہی میری اماں نے جل سمادھی لی ہے۔

یہاں مجھے بچپن کا ایک واقعہ اس طرح یاد ہے جیسے کل کی بات ہو لیکن مجھے ٹھیک سے تو یاد نہیں ہے لیکن ہمارے سکول میں کوئی تقریب تھی ہم سب طالب علموں کو سکول سے ایک جلوس کی شکل میں سرکاری باغ جس کو پلیٹ بھی کہتے ہیں سے ہوتے ہوئے بازار کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ میں اس وقت کسی چھوٹی پرائمری کلاس میں پڑھتا تھا۔ جب یہ جلوس خواجہ بازار میں پہنچا تو وہاں ایک سٹیج جیسا بنا ہوا تھا میں جلوس میں بہت پیچھے تھا اس لئے جو کچھ ہو رہا تھا مجھے دکھائی نہیں دے رہا تھا فقط مدھم سی آواز ہی سنائی دے رہی تھی جو شاید ماسٹر دلگیر صاحب یا ماسٹر غلام نبی صاحب کی جان پڑتی تھی۔ جو نہایت ہی ترنم میں کوئی گیت گا رہے تھے ان کی آواز مدھم ضرور تھی لیکن نہایت ہی سُریلی اور پُرکشش تھی۔ ابھی گیت ختم نہیں ہوا تھا کہ کچھ ہنگامہ ہوا جس سے میں بہت گھبرا گیا۔ میں بازار میں اُس گلی کے سرے پر ہی کھڑا تھا جو کہ سیدھی ہمارے گھر کی طرف جاتی تھی میں بغیر کچھ سوچے سمجھے جتنا تیز بھاگ سکتا تھا بھاگتا ہوا بغیر کسی جگہ رکے سیدھا گھر آگیا اور گھر کے اندر داخل ہو کر ڈیوڑھی بند

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کر دی پیچھے کیا ہوا یہ مجھے معلوم نہیں شہر میں بھی ایکدم کچھ خوف اور گھبراہٹ کا عالم چھا گیا۔ مجھے اچھی طرح سے تو معلوم نہیں ہے لیکن شاید کچھ لوگوں نے اُس قومی گیت کے بول ناپسند کئے تھے۔ اُس دن کے بعد وہاں کبھی میں نے ایسا ناخوشگوار واقعہ نہیں دیکھا مظفر آباد ہائی سکول سے میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا اور اپنے ضلع میں اوّل آیا تھا جس کے لئے مجھے کالج میں وظیفہ بھی ملتا رہا تھا پھر جب ۱۹۴۸ء میں ہم تمام بچے کھچے ہندوں کو مظفر آباد سے پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر امبور کیمپ میں اکٹھا کر کے رکھا گیا تھا۔ اس وقت اِس اُجڑے ہوئے سکول کو پھر سے چلانے کا کام میں نے ہی انجام دیا تھا۔ سکول کی عمارت جو جلادی گئی تھی اس کو پھر تعمیر کروا کر وہاں ہائی سکول شروع کیا جس کا میں سب سے پہلا ہیڈ ماسٹر تعینات ہوا اور اسی سکول میں میٹرک کے طالب علموں کو ریاضی اور سائنس کی تعلیم عرصہ تین سال دیتا رہا اس سے میری جنم بھومی کیلئے یا دیار وطن۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

اشتیاق

۱۹۴۷ کے شروع میں میں لاہور میں ایک ڈی اے وی سکول میں سینئر ماسٹر تھا۔ اصل میں میں لاہور ایم ایس سی کا داخلہ لینے گیا تھا لیکن دیر ہو جانے کی وجہ سے داخلہ نہیں مل سکا۔ اس لیئے یہ سوچ کر کہ اگلے سیشن میں داخلہ لوں گا لاہور میں ہی رک گیا اور ڈی اے وی ہائی سکول میں ماسٹر ہو گیا۔ جون میں گرمیوں کی چھٹیوں میں واپس گھر مظفر آباد چلا آیا۔ یہ گرمی کا موسم تھا اس لئے میری ماں اور دیگر گھر کے سب لوگ گرمیاں گزارنے کے لئے اپنے گاؤں شاہدرہ جہاں قدرے ٹھنڈا موسم ہوتا ہے گئے ہوئے تھے میں بھی شاہدرہ ہی گیا۔

سری نگر سے مظفر آباد کی جانب قومی شاہراہ پر اسی کلومیٹر کے فاصلہ پر اوڑی نام کا ایک پڑاؤ ہے۔ یہاں سے دریائے جہلم کو ایک پیدل چلنے والے پل کو پار کر کے وہاں سے دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہمارا گاؤں ہے جو کہ محکمۂ مال کے کاغذات میں کنڈی برجالہ کے نام سے درج ہے لیکن ہم اس کو شاہدرہ شریف کی زیارت کے قریب ہونے کی وجہ سے شاہدرہ ہی کہتے ہیں اور ہماری جان پہچان کے سبھی لوگ ہمیں شاہدرئے کے نام سے جانتے ہیں بہر حال جون ۱۹۴۷ کو میں شاہدرہ گاؤں میں تھا۔ وہاں ہمارے پاس کوئی ریڈیو یا ٹرانسسٹر نہیں تھا اور نہ ہی وہاں کوئی اخبار ہی آتا تھا، سُنی سنائی خبریں ہی تھیں کہ ہندو مسلمان فساد ہو رہے ہیں لیکن جموں کشمیر کی سرزمین ابھی اِس وبا سے محفوظ تھی۔

۱۵ اگست کو ملک صدیوں کی غلامی سے آزاد ہوا لیکن ہمارے گاؤں کے ماحول میں کچھ فرق نہیں آیا۔ ہماری ریاست میں مہاراجہ ہری سنگھ کا راج تھا۔ کیونکہ ابھی تک

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

مہاراجہ صاحب نے نہ ہی ہندوستان اور نہ ہی پاکستان سے ریاست کا الحاق کیا تھا ہمارے گاؤں میں حالات بدستور سابقہ تھے ۔ وہاں وہی پرانا نمبردار میر دلاور تھا اور چوکیدار ستار علی میر تھا وہاں سب ہی امن پسند اور سادہ لوح انسان رہتے تھے اس لئے حکومت کے اہل کاروں کا عمل دخل کم ہی تھا ۔ جیسا کہ آج کل دیکھنے میں آرہا ہے حکومت کی اولین ذمہ داری لا اینڈ آرڈر کی ہے ہمارے گاؤں سے دو کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک پرائمری اسکول تھا باقی حکومت کی طرف سے کوئی بھی سہولت میسّر نہ تھی میر دلاور نمبردار ستار علی میر چوکیدار کی مدد سے زمین کا لگان وصول کرتا تھا جس کو ہر کوئی وقت پر ادا کر دیتا تھا چاہے اُدھار لے کر ہی ادائیگی کیوں نہ کرنی پڑے ۔ میر دلاور یہ لگان کی رقم اکھٹی کر کے اس میں سے ۵ فیصدی اپنے حصّے کا بطور معاوضہ رکھ کر باقی رقم اوُڑی جاکر تحصیل کے خزانہ میں جمع کروا آتا تھا ستار علی میر کو مبلغ پانچ روپیہ ماہوار تنخواہ حکومت کے خزانہ سے ملتی تھی ۔ وہ چھ ماہ میں یا سال میں ایک بار اوڑی تحصیل کے دفتر میں جاکر اپنی تنخواہ وصول کر لاتا تھا ۔

حکومت کی موجودگی کا احساس تب ہوتا تھا جب محکمہ جنگلات یا محکمہ مال کے کارندے گاؤں میں تشریف لاتے تب انڈوں مرغوں وغیرہ کی فرمائش ہوتیں ۔ لیکن ایسے موقعے سال میں دو تین بار ہی آتے تھے ۔ باقی وقت حکومت پر امن گاؤں باسی خود ہی سنبھالتے ۔ کبھی کبھی جنگل سے لکڑیاں ہر کوئی لاتا تھا جس کے لئے جنگل کے گارڈ صاحب اور فارسٹر صاحب کو خوش رکھنا لازمی تھا صرف یہی اہلکاران حکومت عوام اور حکومت کا رابطہ قائم رکھتے صدیوں کی غلامی کے بعد ہمیں آزادی نصیب ہوئی ۔ برصغیر ہندوستان کا بٹوارہ ہوا دو آزاد اور خودمختار مملکتیں ظہور میں آئیں حکومتوں کے آر پار سرحد پر خون خرابہ ہوا لیکن ان سب باتوں کا ہمارے گاؤں میں کچھ بھی اثر نہیں تھا ۔

اکتوبر ۱۹۴۷ کو رام کوٹ کے راستہ سے ہماری ریاست پر قبائلیوں نے حملہ کر دیا ایک ہی دن میں انھوں نے مظفر آباد قصبے پر قبضہ کر کے وہاں سے آگے بڑھنا شروع کر دیا اور ہمارے گاؤں میں اس کے اثرات تب نمودار ہوئے ۔ جب یہ قبائلی لوٹ مار کرتے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہوئے اوڑی سے بھی آگے بڑھ چکے تھے ہمارے گاؤں سے کوئی آٹھ کلومیٹر کے فاصلہ کے ایک گاؤں کے مسلمان لوگوں نے اچانک صبح سویرے ہم پر حملہ کر دیا اور آن کی آن میں ہم سب کو بری طرح زخمی کر کے ہمارا قیمتی اور ضروری سامان گھوڑوں پر لوٹ کر لے گئے۔ جب تک ہمارے گاؤں کے مسلمان بھائی ہماری مدد کے لئے ہمارے گھر میں اکٹھے ہوئے تو یہ حملہ آور اپنا کام کر کے جا چکے تھے۔ اِس گاؤں بلکہ پورے اِس علاقہ میں ہمارا ایک ہی گھر ہندو کا تھا۔ گاؤں میں مکان اتنے دور دور ہوتے تھے کہ ایک دوسرے کے گھر کے رونما ہونے والے واقعات اور وہاں مدد کے لئے پہنچنے تک کافی وقت لگ جاتا ہے بہر حال ہمارے گاؤں والوں نے ہمیں تسلی دی کہ ہمارے ساتھ اب ایسا کچھ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ ایک دو دن کے لئے ہمیں کسی دوسرے مکان میں پوشیدہ رکھا گیا کہ دوبارہ کوئی ایسی واردات نہ ہو جس سے ہماری جان خطرہ میں پڑ جائے۔ اب تو موت اور زندگی کی آنکھ مچولی کا کھیل شروع ہی ہو چکا تھا۔ ہر روز کچھ نہ کچھ چھوٹے موٹے حادثات ہوتے ہی رہتے تھے اس دوران ہمارے گاؤں کے نمبردار میر دلاور نے ہمیں اپنے گھر میں پناہ دی لیکن پھر بھی واقعات اس طرح سے بدلتے رہے کہ ہر روز موت قریب سے قریب تر دکھائی دے رہی تھی ہمیں بچاتے ہوئے نمبردار میر دلاور نے اپنے بیٹے کی جان کی قربانی دے دی لیکن ہماری جان اور عزت پر آنچ نہ آنے دی۔ سبھی گاؤں والوں نے ہماری حتے الوسع حفاظت کی لیکن بچانے والے گاؤں کے لوگ تھے مارنے والے کئی تھے اِس طرح ہم موت کے سائے میں چھ ماہ تک رہے جس دوران گاؤں والوں نے ہر قدم پر ہماری حفاظت کی۔ ہم تل تل کر کے مر رہے تھے لیکن تبھی پاکستانی فوجیوں نے مظفر آباد شہر میں منتقل کر دیا۔ مظفر آباد آکر کچھ دن اپنے مکان میں رہے اس دوران ہم نے پاکستان کے اعلیٰ ملٹری افسران سے ہندوستان بھیجے جانے کے لئے گریہ زاری کی لیکن سنوائی نہیں ہوئی۔ کچھ عرصہ بعد ہم سب بچے کھچے ہندوؤں کو اکٹھا کر کے امبور کمپ میں رکھ دیا گیا یہ گاؤں مظفر آباد سے پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس گاؤں میں سکھوں کی آبادی تھی جو بھاگ گئے تھے۔ مقامی لوگوں نے جلانے سے بچا دیا تھا۔ ان مکانوں میں ہمارا کمپ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

بنا دیا گیا۔ اب قتل وغارت کا سلسلہ کافی حد تک ختم ہوچکا تھا مظفر آباد میں ایک حکومت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ لا اینڈ آرڈر بحال کیا جا رہا تھا پڑھا لکھا ہونے کی وجہ سے مجھے مقامی ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر لگا دیا گیا۔ کمپ سے میرے ساتھی دو اور بھی ماسٹر تھے ہم تینوں روزانہ سکول میں پڑھانے جاتے تھے اور شام کو کمپ میں واپس آجاتے تھے۔ یہ سلسلہ کوئی دو تین سال چلتا رہا جب ایک بار پھر لاہور مجھے ایم۔ ایس۔سی کا داخلہ لینے کی اجازت مل گئی میں پڑھائی کی چھٹی لیکر لاہور چلا گیا لیکن کچھ ناموافق حالات کی وجہ سے وہاں نہیں رہ پایا اور واہگہ کے راستہ ہندوستان چلا آیا۔ ہندوستان آکر یول کمپ چلا گیا جہاں میرے باقی رشتہ دار کمپ میں رہ رہے تھے۔ لیکن کچھ دن ہی وہاں رہا پھر وہاں سے دہلی چلا گیا دہلی سے جموں آگیا۔ یہاں کچھ عرصہ رفیوجی کمپوں میں کام کرتا رہا بعد میں بے سہارا عورتوں اور بچوں کے لئے ہوم وورک سنٹر کھولنے کا کام میرے سپرد کیا گیا۔ اس کام کی تکمیل ہونے پر مجھے کٹھوعہ میں ورک کم پروڈکشن سنٹر کا انچارج بنا دیا گیا۔ شروع شروع میں اس سنٹر میں یتیم بچوں کو مختلف ہنر سکھائے جاتے تھے جن میں بڑھئی گیری، کپڑا بنا وغیرہ قابل ذکر ہیں بعد میں یہاں پروڈکشن کا کام بڑے پیمانہ پر شروع کیا گیا۔ رات کو سٹریٹ لائیٹ کے لمپ کی روشنی میں میں اور میری بیوی مزدوروں کو پڑھاتے تھے اس نیک کام میں کچھ ہمارے ساتھی بھی ہماری مدد کرتے رہتے تھے دن کو کبھی کبھی محکمہ دیہات سدھار افزائش نسل حیوانات وزراعت کے مقامی افسروں کے ساتھ نزدیک کے دیہات میں جاکر وہاں کے لوگوں کی مشکلات کا ازالہ کرتے اور اپنی بساط کے مطابق ان کی مدد کرتے یہ سلسلہ کوئی دس بارہ سال چلتا رہا۔ اس دوران میرے کنبہ میں دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کا اضافہ ہوا۔

۱۹۶۴ میں میں کھادی اور دیہی صنعتوں کے بورڈ میں بطور ایگزیکٹیو افیسر تعینات ہوا اور ۱۹۷۴ تک اس بورڈ میں ہی کام کرتا رہا جہاں مجھے وقتاً فوقتاً ترقی دی گئی اور اس طرح بورڈ کا سب سے اعلیٰ عہدہ دار سیکریٹری بنایا گیا۔ کچھ گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے مجھے بورڈ کی نوکری سے واپس آنا پڑا۔ ۱۹۷۴ میں ڈپٹی ڈائریکٹر دستکاری جموں مقرر ہوا پھر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

یہاں ہی ترقی دے کر جائینٹ ڈائریکٹر بنا دیا گیا۔ اس دوران مجھے اسلام آباد سے اپنے ایک بچپن کے دوست ملک مظفر کا پوسٹ کارڈ موصول ہوا جس میں مختصر طور پر ملک صاحب نے اپنے متعلق لکھا تھا اور میری خیریت جاننا چاہی تھی، ملک مظفر اور میں دونوں مظفرآباد میں رہتے تھے ان کا گھر ہمارے گھر کے بالکل سامنے تھا لیکن درمیان میں کچھ کھیت تھے اس لئے ان کے گھر جانے کے لئے ہمیں گھوم کر گلی کے راستہ جانا ہوتا تھا اور یہ بھی ہمارے گھر سے پانچ منٹ کا راستہ تھا۔ مظفر کے والد محکمہ مال میں نائب تحصلدار تھے ہمارا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا بہت زیادہ نہیں تھا لیکن سکول میں اکٹھے ایک جماعت میں لگاتار تعلیم حاصل کر رہے تھے مظفر آرٹ کا طالب علم تھا اور کھیلوں وغیرہ میں کافی دلچسپی لیتا تھا وہ فٹ بال اور والی بال کھیل کا ہمارے سکول کی ٹیم کا کھلاڑی رہا تھا میں سائنس کا طالب علم تھا اور کھیل میں کچھ خاص دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ ہم کالج میں بھی اکٹھے ایک ہی کلاس میں تعلیم حاصل کرتے رہے فرق وہ ہی تھا کہ مظفر آرٹس مضامین کا طالب علم تھا سیاسی کاموں میں کافی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا اس کا سوشل دائرہ بھی کافی وسیع تھا کالج کی مجالس مباحثہ وغیرہ میں بھی شمولیت کرتا تھا میں سائنس مضامین کا طالب علم تھا سارا دن کالج میں پریٹیکل کرتے کرتے گذر جاتا شام کو دیر سے ہوسٹل اپنے کمرے میں پہنچتا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے کہیں بھی جانے کی خواہش نہیں ہوتی تھی میں مظفر اور ہمارا ایک تیسرا ساتھی محمد حنیف ہم تینوں ہوسٹل میں ایک ہی کمرے میں رہتے تھے لیکن ہم تینوں کے خیالات عادات بالکل جُدا تھے مظفر آزاد خیال کا مالک تھا میں اور محمد حنیف دونوں قدامت پسند تھے جداگانہ خیالات کی وجہ سے ہمارے ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور بھائی چارہ میں کوئی کمی نہ آئی تھی۔ محمد حنیف مجھ سے زیادہ طاقت ور تھا اور اکثر مجھے مار کر بھاگ جاتا تھا۔ اور میں پیچھے سے اپنی لکڑی کی کھڑاؤں سے اُس پر وار کرتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا، میں حنیف اور مظفر اپنے کمرہ کے باہر دھوپ میں بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے باتوں باتوں میں حنیف نے مجھے مذاق میں ایک گھونسہ رسید کیا اور جلدی سے سیڑھیوں سے اتر کر میدان میں پہنچ گیا۔ میں نے پیچھے سے حسب معمول اس پر اپنی کھڑاؤں سے وار کیا!

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

حنیف تو وار بچا گیا لیکن وہ کھڑاؤں ہمارے ہوسٹل کے سپرانٹنڈنٹ جناب توشہ خانی صاحب جو فلاسفی کے پروفیسر بھی تھے کو جا لگی جو اُس وقت سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ رہے تھے توشہ خانی صاحب ویسے تو بڑے بنک سبھاؤ کے مالک تھے لیکن میرے اس ناجائز فعل پر ان کو بہت غصّہ آگیا اور غصّہ کے عالم میں اپنے دفتر میں واپس چلے گئے۔ میں سمجھتا تھا کہ توشہ خانی صاحب نہایت رحمدل انسان ہیں اور جلدی ہی ان کا غصّہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ لیکن ہوا ایسا نہیں۔ انھوں نے میرے لئے ہوسٹل سے نکل جانے کے احکامات صادر کر دیئے ہمیں اِس بات کا قطعی گمان نہ تھا کہ کھیل کھیل میں یہ نوبت آجائے گی بہر حال میں نے توشہ خانی صاحب کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا میں سیدھا پرنسپل صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ مجھے ایک محنتی طالب علم ہونے کے ناطے جانتے تھے۔ ان کو میں نے اپنی ساری واردات بالکل حرف بہ حرف بیان کر دی بلکہ اپنی غلطی بھی تسلیم کر لی پرنسپل صاحب نے سب کچھ سن کر مجھے یہ کہا کہ اب دو چار دن میں کالج سردیوں کی چھٹیوں کے لئے بند ہو رہا ہے اور میں دو چار دن کے لئے کہیں گذارہ کر لوں اور چھٹیوں کے بعد وہ مجھے اپنے آپ ہوسٹل میں داخل کر لیں گے۔ میں بھی کچھ اڑیل قسم کا تھا لہذا میں نے ہوسٹل کے گراونڈ میں ہی اپنے کمرہ کے سامنے ایک بگو (چٹائی) بچھا کر اپنا بستر لگا لیا۔ میرے ساتھ کچھ ہمدردی کے طور پر اور کچھ محض شغل کے لئے چند دوسرے ساتھی گراونڈ میں آکر سونے لگے جن میں محمد حنیف بھی شامل تھا۔ اگر توشہ خانی صاحب بھی اس طرف سے گزرتے۔ اچٹتی نگاہ ہم پر ڈالتے۔ لیکن کچھ کہنے کے بجائے، مسکرا کر چل دیتے تھے۔ چند دنوں میں چھٹیاں ہو گئیں اور یہ واقعہ صرف ایک میٹھی یاد بن کر رہ گیا۔ لیکن یہ تحریر کرتے ہوئے مجھے نہایت دکھ ہو رہا ہے کہ محمد حنیف جو نہایت ہی خوش شکل خوش مزاج ہونٹوں پر ہمیشہ مسکان لئے ہوئے ہمارے بہترین ساتھی تھے ہمارے درمیان اب نہیں ہیں وہ ذات کے سُدھن تھے جنکا آبائی پیشہ سپاہ گیری ہے۔ وہ بھی جوانی کی عمر میں کسی ہوائی حادثہ کا شکار ہونے پر خدا کو پیارے ہو گئے۔ ان کے اور میرے خیالات میں زمین آسمان کا فرق تھا لیکن پیار سگے بھائیوں سے بھی کہیں زیادہ تھا خدا ان کو جنّت نصیب

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کرے۔

ملک مظفر کے پوسٹ کارڈ کی مختصر سی تحریر نے دل میں پرانی یادیں تازہ کر دیں۔ ماسٹر غلام نبی صاحب کا ترنم سے شعر کہنا میرے میٹرک کے طالب علم جو تقریباً میرے ہم عمر ہی تھے میرا اور ان کی عمر کا زیادہ سے زیادہ پانچ سات سال کا فرق ہوا ہوگا لیکن پھر بھی وہ مجھ سے نہایت احترام سے پیش آتے تھے۔ وہ میری زندگی میں سب سے تاریک دن تھے لیکن میرے شاگردوں نے مجھے اِس تاریکی کا کبھی احساس نہیں ہونے دیا اگر کبھی میں اکیلا کچھ اپنی سوچ میں ڈوبا ہوتا تو میرے پاس آکر اِدھر اُدھر کی باتوں سے میرا دل بہلاتے مجھے کبھی محسوس ہی نہیں ہوتے دیتے کہ میں اکیلا ہوں بے سہارا ہوں ایک قیدی کی زندگی بسر کر رہا ہوں اتوار چھٹی کا دن ہوتا اُس دن بھی وہ میرے ساتھ باہر گھومنے کا پروگرام بنا لیتے۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں بھی میں کہیں باہر گاؤں میں ان کے گھروں میں چلا جاتا تھا وہاں میری بہت ہی آؤبھگت ہوتی۔ امبور کمپ میں تو بس صرف رات گزارنے کے لئے جانا تھا۔ صبح آٹھ بجے تک نہا دھو کر ناشتہ کر کے وہاں سے نکل آتا تھا۔ اور شام کو اندھیرا ہونے پر ہی کمپ میں پہنچتا تھا۔ اس لئے میرا کسی سے کمپ میں ملنا جلنا نہ کے برابر ہی تھا۔

میں نے اس پوسٹ کارڈ کا مظفر کو جواب تو لکھ دیا لیکن میری لاعلمی سمجھئے کہ مظفر پاکستان میں رہتا ہے اور وہ ایک غیر ملک ہے جہاں کے لئے چٹھی کی ڈاک کی شرح مختلف ہے میں نے تو وہی ڈاک ٹکٹ استعمال کی جو بھارت میں رائج تھی اس کے باوجود میں مظفر کی چٹھی کا انتظار کرتا رہا۔ دوبارہ ایک اور چٹھی لکھی لیکن جواب کا انتظار ہی رہا۔

کافی عرصہ بعد میرے ایک کشمیری دوست اپنے رشتہ داروں کو ملنے کے لئے لاہور اور اسلام آباد جا رہے تھے میں نے اُن کے ہاتھ ایک مختصر سی چٹھی بھیجی اور اُن سے گزارش کی کہ اگر ان کو دقّت نہ ہو تو میرے دوست کو میری یہ چٹھی پہنچا دیں تاکہ ان کی خیریت مجھے معلوم ہو سکے۔ واپسی پر وہ بھائی میرے لئے نہ صرف مظفر کی چٹھی ہی لائے بلکہ میرے نہایت ہی مشکور ہوئے کہ میری وجہ سے مظفر نے ان کی خوب خاطر تواضع کی انھیں دعوت دی کہ ان کے پاس کچھ دن کے لئے ٹھہریں اور مجھے آنے کی زبانی اور چٹھی میں بھی دعوت

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

دی چھٹی میں مظفر نے اپنے اور اپنے دیگر بھائی بہنوں کے متعلق تفصیل سے لکھا۔ اُس کے سبھی بھائی بڑے بڑے عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ اُس کی چھوٹی ہمشیرہ جو ڈاکٹر ہے اس کی شادی ایک ڈاکٹر صاحب سے ہوئی ہے۔ مجھے بمعہ اپنے عیال ملنے کے لئے بہت تاکید کی۔

اس کے بعد میں نے ایک دو چھٹیاں لکھیں اور پہلے کی طرح حسب ضابطہ ڈاک ٹکٹ شاید نہیں لگا سکا۔ اسی وجہ سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ اِس دوران میری دفتری کام کاج کی مصروفیات میں اِسقدر اضافہ ہو گیا کہ یہ سب کچھ میرے ذہن میں مدھم پڑ گیا۔ اور مجھے کچھ ایسا لگنے لگا کہ جس چیز کو میں پا نہیں سکتا اُس کے لئے بے تاب رہنے سے کچھ حاصل نہیں آئے دن ہندوستان اور پاکستان کی بڑھتی ہوئی کشیدگی بھی اِن جذبات کو ٹھنڈا کر دیتی رہی اس طرح وقت گذرتا گیا۔

اس دوران میں نے اپنی ماضی کی تلخ اور خوشگوار یادوں کی بنا پر ایک کتاب "داستاں ہزار دن" تحریر کی اس کتاب میں میں نے ۱۹۴۷ سے لیکر ۱۹۵۰ تک کے وہ تمام واقعات قلم بند کئے جو ہمارے ساتھ رونما ہوئے تھے کس طرح موت کے کالے سائے کے زیر اثر یہ دن ہم نے گزارے تھے۔ اس دوران گزرنے والے ہر دن کے واقعات ہمارے لئے ایک نئی داستان تھے ہر دن کی صبح ہونے پر شام تک موت کا انتظار کرنا پڑتا تھا اور شام کو یہ سوچ کر سو جاتے کہ شاید دوسری صبح دیکھنی نصیب ہو گی کہ نہیں۔ اس داستان میں انسانی بھائی چارے اور رواداری کے وہ مناظر اُجاگر ہیں جو شاید ہی کہیں اور دکھائی دیئے ہوں اس داستان میں ان کرداروں کا بھی ذکر ہے جنہوں نے اس وقت جب کہ انسانی تہذیب اپنی گراوٹ کی انتہا تک پہنچ چکی تھی اور انسانیت کی پستی شرمندگی کی حد تک گر چکی تھی انسانیت کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اس داستان میں زندگی اور موت کی آنکھ مچولی کو نہایت قریب سے بیان کیا ہے۔

میری پہلی تحریر ہونے کے باوجود بھی اِس کو دہلی کے ایک اچھے ناشر نے چھاپ دیا۔ اس کے لئے مجھے کلچرل اکیڈمی نے مالی امداد بھی دی اور اس کتاب کی اشاعت

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہیں مجھے کسی طرح کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑی بلکہ اِس کی تمام جلدیں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکی ہیں اور اب اِس کا ناشر اس کتاب کا ہندی ترجمہ چھاپنے کی سوچ رہا ہے ایک فلم ساز اس ناول کی کہانی پر ایک ٹیلی فلم بنانے کی تیاری میں لگا ہوا ہے۔ مجھ سے اُس نے اس کے لئے تحریری اجازت طلب کرلی ہے۔

یہ ستمبر ۱۹۸۷ کی بات ہے جبکہ مجھے سرکاری نوکری سے ریٹائرڈ ہوئے چار سال ہو چکے تھے اور میں ایک پرائیوٹ فرم میں مشغول رہنے کے لئے کام کرتا تھا۔ جہاں میں زیادہ وقت پڑھنے لکھنے میں گزارتا تھا۔ مجھے ملک مظفر کی ایک چٹھی موصول ہوئی جس میں تحریر تھا کہ ملک صاحب بھی اب ریٹائرڈ ہو گئے ہیں (پاکستان میں ریٹائر منٹ کی عمر ۶۰ سال ہے) اور وہ ماہ اکتوبر یا نومبر ہندوستان سیاحت کی غرض سے آرہے ہیں کچھ دن دہلی آگرہ وغیرہ گھوم کر وہ سری نگر اپنے کچھ دوستوں کو ملنے کے لئے جائیں گے اور راستہ میں کچھ دن جموں میرے پاس رکیں گے اس خط کا ملنا میرے لئے عید کا چاند دکھائی دینے کے برابر تھا۔ میں نے اس خط کا ذکر اپنی بیوی سے بڑے اشتیاق سے کیا۔ میری بیوی اپنی بڑی لڑکی کے پاس سعودی عرب جانے کی تیاری میں تھی۔ اُس کا ویزا ابھی وہاں سے بن کر آگیا تھا اس لئے اُسے بھی اس بات کا افسوس ہوا کہ وہ میرے دوست سے نہیں مِل پائے گی جو اپنی بیوی کے ہمراہ آرہا ہے۔ بہرحال اُس کا سعودی عرب بھی جانا ضروری تھا جس کے لئے سب تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اس لئے وہ اکتوبر کے شروع میں ہی روانہ ہو گئی۔ میں اپنے دوست اور اس کی رفیقۂ حیات کی آمد کا بے صبری سے انتظار کرنے لگا۔ ان کو ٹھہرانے کے لئے گھر میں بہت زیادہ جگہ تھی کیونکہ اس وقت میں گھر میں بالکل اکیلا تھا میری بیوی بچے سب ہی باہر گئے ہوئے تھے ایک لڑکا جو دفتر میں کام کرتا تھا میرا کھانا بناتے اور دوسرے کاموں میں میری مدد کرنے کے لئے میرے ساتھ رہتا تھا میں نے ان کے لئے گوشت وغیرہ بھی تیار کرنے کے لئے بھی کچھ دوستوں سے مدد لینے کے لئے ٹھیک کر لیا تھا۔ لیکن یہ انتظار کے دن بڑی مدھم رفتار سے گزر رہے تھے۔ اور میری ملاقات کی چاہت بے تاب ہوتی جارہی تھی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

اس دوران میں باہر بھی کہیں نہیں گیا۔

نومبر کے شروع میں ہی مجھے مظفر کی ایک چھٹی دہلی سے تحریر کی ہوئی ملی کہ انہیں سری نگر جانے کا ویزا نہیں ملا اس لئے وہ میرے پاس نہیں آسکیں گے انھوں نے دہلی اپنی قیام گاہ کا پتہ اور ٹیلی فون نمبر بھی تحریر کیا تھا میں نے چھٹی ملتے ہی اُسی دن ٹیلی فون پر ان سے بات کی وہ ٹیلی فون پر مجھ سے مل کر نہایت ہی خوش ہوئے اور کہا کہ وہ سری نگر آنے کے لئے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے مجھے دہلی آنے کے لئے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن مجھے اب صبر کی تاب کہاں دوسرے دن ہی دہلی کے لئے روانہ ہو گیا۔ اور اگلے دن صبح دہلی کوئی دس بجے کے قریب ان کی قیام گاہ پر ان سے ملنے کے لئے چلا گیا۔ ہم بچپن کے دوستوں کا لگ بھگ چالیس سال کے بعد ملنا ہوا ایک دوسرے کو دیکھتے ہی ہم پہچان گئے اور بڑے تپاک کے ساتھ بغل گیر ہوئے۔ ان کی بیوی سے میری پہلی ملاقات تھی لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ ہماری پہچان بہت پرانی ہے۔ ملک صاحب اپنی بیوی کی بھانجی کے پاس قیام کر رہے تھے وہ بھی ملک صاحب کی طرح ایک نیک سیرت خاتون ہیں۔ اتنے لمبے عرصہ کے بعد اچانک ملاقات سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہوں یہ تھا بھی درست ہی کہاں ہم زندگی کے پچیس سال اکثر ہر روز ایک دوسرے سے کسی نہ کسی جگہ ملاقات کرتے تھے ایک دوسرے سے کسی نہ کسی موضوع پر بات کرتے جھگڑا بھی کرتے تھے لیکن ملک صاحب کی فطرت میں جھگڑا کرنے کی گنجائش بالکل نہیں تھی۔ ملک صاحب مجھ سے سبھی دوستوں کے متعلق پوچھتے رہے اور جن جن کے متعلق میں کچھ جانتا تھا بتاتا رہا کچھ تو مجھے بھی بھول گئے تھے لیکن مظفر کو سب کی یاد تھی وہ ساتھ ہی گزرے ہوئے کچھ اہم واقعات کو بھی دُھرائے جا رہے تھے میں بھی اُن سے اپنے کچھ دوستوں اور شاگردوں کے بارہ میں بھی دریافت کرتا رہا کچھ کے متعلق تو وہ نمایاں طور پر جانکاری رکھتے تھے اور اکثر کو وہ نہیں جانتے تھے چونکہ اس دوران ان کی رہایش زیادہ تر اسلام آباد میں ہی رہی اور مظفر آباد کبھی تھوڑے عرصہ کے لئے جاتے تھے اور سوائے اپنے قریبی رشتہ داروں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کے کم ہی کسی سے ملتے تھے۔ اس طرح سے بھولی بسری باتیں کرتے ہوئے وقت کا پتہ ہی نہیں لگا۔ ملک صاحب صرف نماز ادا کرنے کے لئے اٹھے تھے۔ اور اس دوران میں ان کی رفیقہ حیات سے گفتگو کرتا رہا انھوں نے مجھے بتایا کہ قیوم بھائی جو میرے دوست ہیں اور ملک صاحب کے بہنوئی ہیں اکثر میرے متعلق بہت سی انوکھی باتیں کر کے انہیں ہنسایا کرتے تھے میں نے اپنی کتاب داستان ہزار دن کی دو جلدیں انھیں پڑھنے کے لیے پیش کی تھیں جس دوران ملک صاحب میرے ساتھ باتوں میں مشغول تھے بھابھی میری کتاب کا مطالعہ فرماتی رہیں اور باتوں باتوں میں مجھے انھوں نے بتایا کہ اس کتاب میں درج کئے ہوئے بہت سے واقعات قیوم بھائی انھیں اکثر بہت پہلے سنا چکے ہیں۔ میں نے دوپہر کا کھانا بھی ان کے ساتھ ہی کھایا اور رات کے آٹھ بجے تک ان کے پاس ٹھہرا اس دوران گپ شپ ہی ہوتی رہی۔ یہ سلسلہ ابھی اور بھی چلتا لیکن میں نے واپسی کی اجازت چاہی کیونکہ عجلت میں بغیر کچھ سامان چلا آیا تھا میں ان سے رخصت ہو کر سیدھا ریلوے سٹیشن روانہ ہوا۔ لیکن رات دیر سے چلنے والی سپر فاسٹ ٹرین میں ہی برتھ مل سکا۔ برتھ پر لیٹے لیٹے نہ جانے کتنی دیر تک ماضی کی یادیں میرے ذہن میں مچلتی رہیں اور کب مجھے میٹھی نیند نے اپنی آغوش میں لے لیا کوئی آٹھ بجے کے قریب ٹرین جب لدھیانہ سٹیشن پر رکی تو میری نیند کھل گئی میں نے ایک کپ چائے لی اور دوران ملاقات زیر بحث واقعات کی یادوں میں کھویا رہا مجھے یہ بھی احساس نہیں رہا کہ ٹرین میں میرے ہم سفر کون کون لوگ ہیں اور وہ کیا کر رہے ہیں ان خیالات کا تانا بانا اس وقت منقطع ہوا جب گاڑی جموں سٹیشن پر رکی۔ قلی لوگ صدائیں دیتے ہوئے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئے۔ میرے پاس سامان کچھ تھا نہیں میں ٹرین سے اتر کر سیدھا گھر کی طرف روانہ ہوا گھر میں کوئی دوسرا تو تھا نہیں اس لئے وہاں بیٹھنے کو من نہ چاہا غسل کر کے دفتر چلا گیا وہاں ہمارے مظفر آباد کے کچھ بزرگ اور عزیز کام کرتے ہیں ان سے میں نے ملک مظفر کی دہلی میں آمد اور اپنی ملاقات کا ذکر کیا۔ وہ سب بھی نہایت اشتیاق سے اپنے دیار وطن کے متعلق مجھ سے بار بار مختلف سوالات پوچھتے رہے اور مجھے داستان سُنانے سُناتے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہی شام ہو گئی۔ گھر آیا اور کھانا کھا کر سو گیا نہ معلوم کب نیند آگئی اور خوابوں میں مظفر آباد کی سیر کرنے لگا ملک مظفر نے مجھے مظفر آباد کا موجودہ نقشہ بیان کیا تھا یہ سب کچھ اتنا دھندلا اور موہوم تھا کہ صبح اٹھنے پر کچھ بھی یاد نہیں رہا کہ خواب میں کیا کیا مناظر دیکھتا رہا اور کس کس سے ملتا رہا۔ لیکن ذہن پر کچھ بھی بوجھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ دہلی سے رخصت ہوتے وقت مظفر نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ سری نگر آنے کے لئے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اگر اسے اجازت مل گئی تو وہ جموں تک کا سفر ٹرین میں کریں گے اور جموں کچھ دن میرے پاس رک کر سری نگر جائے گا۔ اس لئے میں تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن ان سے ٹیلی فون پر جموں آنے کے متعلق دریافت کرتا رہا لیکن ہر بار مایوسی ہوتی رہی۔ سات آٹھ دن کے بعد انھوں نے مجھے فون پر خبر دی کہ وہ دوسرے دن واپس اسلام آباد جا رہے ہیں انھیں سری نگر جانے کی اجازت نہیں مل سکی۔ وہ سیاحت کے لئے جے پور اور حیدر آباد بھی جانا چاہتے تھے لیکن اس اجازت کے انتظار میں کہیں بھی نہیں جا سکے۔ انھوں نے ایک بار پھر مجھے اپنی بیوی کے ساتھ اسلام آباد آنے کی تاکید کی۔ وہ مجھے دہلی میں بیوی بچوں سمیت اسلام آباد اور مظفر آباد آنے کی پُر اصرار دعوت تو دے ہی چکے تھے اس دعوت میں ان کی بیوی کا شدید اصرار بھی شامل تھا وہ میری بیوی جو اس وقت سعودی عربیہ گئی ہوئی تھی سے ملنے کی بہت ہی زیادہ خواہشمند تھیں۔ دہلی سے رخصت ہوتے وقت بھابھی نے میری بیوی ساوتری کے لئے کچھ کپڑے بھی تحفہ کے طور پر دیئے۔ اس معاملہ میں نہایت ناسمجھ واقعہ ہوا۔ میں تو بے صبری میں خالی ہاتھ ہی ان سے ملنے چلا گیا تھا ان کے جموں آنے کے پیش نظر ان کی وہاں کچھ ضیافت بھی نہ کر سکا۔ خوش قسمتی سے میرے جموں آنے کے ایک دن بعد ہی میرے ایک دوست دہلی کار میں جا رہے تھے۔ میری درخواست پر وہ ملک صاحب اور بھابھی کے لئے کچھ تحفہ جات اور ڈرائی فروٹ لے گئے اس طرح سے میں اپنی بھول کا سدھار کر سکا۔

میں نے دہلی میں اپنی بات چیت کے دوران ان سے خدشہ ظاہر کیا تھا شاید مجھے اسلام آباد اور مظفر آباد کے لئے ویزا نہ مل سکے تو اس صورت میں میرا آنا ناممکن ہوگا۔ پاسپورٹ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

تو میرا اور میری بیوی کا بنا ہوا ہی تھا لیکن ویزا حاصل کرنے میں دقت ہو سکتی تھی۔ اس پر ملک صاحب نے کہا تھا کہ میں اسلام آباد اور مظفر آباد کے لئے بھی ان کا ایڈرس اپنی درخواست میں درج کر دوں اور ساتھ میں ان کے خطوط وہاں جانے کے لئے دعوت نامہ کے طور پر دکھا دوں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ اوّل تو ویزا مل ہی جائے گا اگر کوئی پوچھ تاچھ بھی کریں گے تو وہاں سے اُس کا انتظام کر دیں گے۔

میری بیوی ساوتری سعودی عربیہ سے فروری میں واپس تو آگئیں۔ لیکن ہماری بڑی لڑکی نیلم ہمارا داماد اور دو بچے بھی ساتھ آئے۔ نیلم تو وہاں اپنی نوکری چھوڑ کر ہندوستان میں بچوں کی تعلیم کی خاطر واپس آگئی تھی داماد کچھ عرصہ کے لئے رہ کر واپس چلے گئے ان کا ارادہ کچھ عرصہ مزید باہر رہ کر لندن سے ایم۔ آر۔ سی۔ پی کی ڈگری حاصل کرنے کا تھا۔ اب لڑکی اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ہماری تھی۔ اس دوران مجھے نیلم کے ساتھ دو تین بار دہلی کے چکر لگانے پڑے۔ اُسے وہاں سر گنگارام ہسپتال میں اچھی نوکری تو مل گئی لیکن اس طرح مجھے چھ سات ماہ نیلم کے کام کے سلسلہ سے مشغول رہنا پڑا۔ اس دوران ملک صاحب کی دو چار چٹھیاں موصول ہوئیں ہر بار وہ مجھ سے اپنے اسلام آباد آنے کے پروگرام کے متعلق دریافت کرتے رہے لیکن میں ان کو کچھ بھی جواب دینے سے قاصر تھا۔ ایک بار تو انھوں نے یہ بھی لکھا کہ میں وہاں اچانک پہنچ کر ان کو سرپرائیز دینے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ بعد میں مئی میں ان کی چٹھی موصول ہوئی جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ اب تو وہاں گرمی کا موسم شروع ہو گیا ہے اس لئے میں گرمیاں ختم ہونے کے بعد ہی آؤں اکتوبر نومبر میں آنے کا پروگرام ٹھیک رہے گا۔ ماہ اکتوبر میں میں دہلی میں نیلم کے پاس تھا لیکن مجھے پراسٹریٹ کی تکلیف کچھ زیادہ ہو گئی تھی اور ڈاکٹر صاحب نے آپریشن کرنے کے لئے کہا تھا۔ جو نومبر کے تیسرے ہفتہ میں طے پایا تھا۔ اس لئے اکتوبر نومبر میں علیل ہونے کی وجہ سے جانے کا سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

۱۴ر فروری ۱۹۸۹ میں نے ویزا کے لئے درخواست دی جس میں میں نے اسلام آباد اور مظفر آباد جانے کے لئے اجازت مانگی۔ کچھ دنوں کے بعد مجھے ویزا تو دونوں جگہ جانے کے لئے مل گیا لیکن صرف ۱۵ر دن کے لئے ہی پہلے میرا خیال تھا کہ ہم امرتسر جائیں گے اور وہاں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سے سڑک کے راستہ واہگہ سے پاکستان میں داخل ہوں گے چنانچہ میں نے ملک صاحب کو تحریر کر دیا کہ ہم ۲۲ مارچ صبح ہی واہگہ پہنچ جائیں گے۔ انھوں نے جواباً اطلاع دی کہ وہ اس دن واہگہ ہمیں لینے کے لئے موجود ہونگے۔ میری بیوی بھی اس سفر میں میرے ہمراہ تھی اور ان کا خیال تھا کہ امرتسر سے واہگہ جانے میں کچھ دقت نہ آئے اس لئے دہلی سے ہی بذریعہ ہوائی جہاز سیدھے لاہور چلے جائیں اِس طرح سے ملک صاحب بھی واہگہ ہمیں لینے آنے کی زحمت سے بچ جائیں گے یہ خیال مجھے بھی پسند آیا اور میں نے اپنی اور ساوتری کی انڈین ایر لائنس کی دہلی سے لاہور ۲۴ مارچ اور لاہور سے دہلی واپسی ۲ اپریل کی ٹکٹیں خرید لیں اور ملک صاحب کو بھی لکھ دیا کہ ہم ۲۴ مارچ صبح دس بجے لاہور پہنچ جائیں گے وہاں سے اسلام آباد ٹرین یا بس میں پہنچ جائیں گے اس لئے وہ ہمیں لینے کی زحمت نہ اٹھائیں وہ کب ماننے والے تھے انھوں نے جواباً تحریر کیا کہ وہ لاہور ایر پورٹ پر ہمیں لینے کے لئے موجود ہوں گے۔

لاہور روانہ ہونے سے پہلے میں کچھ دن کے لئے جموں آیا تاکہ سفر کے لئے کچھ نقدی کا انتظام کر سکوں۔ جس فرم میں میں پہلے کام کرتا تھا اور اب ایک سال سے چھوڑ دیا تھا ان سے کچھ رقم لینی تھی جس کی مجھے ابھی تک ضرورت نہیں پڑی تھی اب لینے گیا وہاں میرا ایک کالج کا جماعتی اب کام کرتا تھا۔ اس سے میں نے ذکر کیا کہ میں مظفر آباد جا رہا ہوں اِس پر وہ بغیر کچھ سوچے ایک دم بول اٹھا کہ ایک بار وہاں سے بڑی مشکل سے جان بچا کر آئے ہیں اب وہاں کس لئے جانا ہے۔ شاید اُنھیں دیارِ وطن کی کشش بالکل نہیں تھی یہ ٹھیک ہے میں نے اِن سے کہیں زیادہ بُرے دن دیکھے تھے لیکن پھر بھی وہاں میرے بہت سے چاہنے والے بھی موجود ہیں جن کو میرے وہاں جانے سے خوشی ہوگی۔ وہاں اس سب کچھ کے باوجود میٹھی یادیں بھی ہیں۔ بہر حال ہر ایک کا اپنا اپنا سوچنے کا ڈھنگ ہے۔ مجھے ماسٹر بودھ راج بھی ملا وہ میرے ساتھ ہی امبور کیمپ میں رہتے تھے اور ہائی اسکول میں بھی ہم اکٹھے پڑھاتے تھے فرق صرف یہ تھا کہ وہ کچھ عرصہ ان سے پہلے مظفر آباد سے آگیا تھا وہ بعد میں آئے تھے ماسٹر بودھ راج نے بھی وہاں جانے کی از حد خواہش ظاہر کی ان کا پاس پورٹ نہیں بنا ہوا تھا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ورنہ شاید ویزا حاصل کر کے وہ بھی میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جاتے۔ انھوں نے پھر بھی مجھ سے گزارش کی اگر ہو سکے تو میں قومی کوٹ جاؤں اور وہاں کے موجودہ حالات سے انھیں واقف کروں۔ قومی کوٹ ماسٹر بودھ راج کا آبائی گاؤں ہے۔

خدا کی مدد سے پانچ چھ ہزار کا نقدی کا انتظام آسانی سے ہو گیا اور میرا یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا میرے ایک وکیل دوست کے والد کوہ مری کے نزدیک دریا گلی کے رہنے والے تھے وہ بھی میری طرح سے پاکستان کے وجود میں آنے کے کافی بعد وہاں سے ہندوستان ہجرت کر کے آئے تھے انھوں نے بھی مجھے اپنے مہرباں دوستوں کے ایڈرس دیئے اور استدعا کی کہ اگر ہو سکے تو میں دریا گلی بھی ہو کر آؤں چونکہ مظفرآباد جانے کے لئے مجھے کوہ مری سے تو گزرنا ہی تھا۔ اور دریا گلی کوہ مری سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے میں نے اِن بزرگوار سے عرض کیا کہ میں پوری کوشش کروں گا کہ دریا گلی اُن کے مہربان دوستوں سے مل سکوں اور ان کی خیریت معلوم کروں۔

واپس دہلی آکر میں نے کچھ ڈالر خرید کئے جس کے لئے میرے پاس اجازت نامہ تھا اور دیگر اپنے احباب کے لئے کچھ ڈرائی فروٹ سبز الاچی خریدی اور مختصر سی تیاری کر کے ۲۴ مارچ کا انتظار کرنے لگا۔ اس دن صبح ہی ساوتری کے ساتھ اندرا گاندھی ایرپورٹ کے لئے روانہ ہو گیا جہاں سے ہماری ہوائی اڑان لاہور کے لئے جانی تھی۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سفر ـــــ لاہور تک

دہلی سے لاہور تک کا ہوائی سفر آدھ گھنٹہ کا تھا۔ ہمارے ہوائی جہاز نے ہندوستانی وقت کے مطابق نو بجکر ۱۵ منٹ پر اڑان بھری اور پاکستانی وقت کے مطابق نو بجکر پندرہ منٹ پر ہی لاہور ہوائی اڈہ پر اترا یہ اس لئے ممکن ہوا کہ پاکستان کا معیاری وقت ہمارے ہندوستان کے معیاری وقت سے آدھ گھنٹہ پیچھے ہے۔ جہاز میں ہمارے ہمسفر ایک کراچی کے رہنے والے مسلمان بھائی تھے وہ اپنے رشتہ داروں کو ملنے دہلی آئے تھے انھیں واپسی کے لئے دہلی سے کراچی کی سیدھی اڑان میں ٹکٹ نہیں مل سکی اس لئے وہ دہلی سے لاہور والی انڈین ایرلائن کی اڑان میں سفر کر رہے تھے تاکہ لاہور سے کراچی کی اڑان آسانی سے لے سکیں۔ یہ صاحب بھی لگ بھگ میری ہی عمر کے تھے یا مجھ سے چھوٹے ہوں گے دوران سفر کچھ نہ کچھ گفتگو کرنی ہی ہوتی ہے میں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کراچی میں آئے دن فساد کیوں ہوتے رہتے ہیں اب تو وہاں سب ہی مسلمان رہتے ہیں اور سب ہی پاکستان کے باشندے ہیں اس پر انھوں نے ایک لمبی سانس لی اور اس طرح گویا ہوئے کہ وہ دہلی کے رہنے والے تھے ان کے کچھ بھائی بند یہاں ہی رہ گئے اور کچھ نے پاکستان ہجرت کر لی اور کراچی میں ان کو آباد کیا گیا۔ کراچی میں صوبہ سرحد سے آئے ہوئے پٹھان بھی ہیں جو اب تقریباً مقامی بن چکے ہیں اور کچھ ہم لوگ دہلی اور یوپی وغیرہ سے اٹھ کر وہاں گئے ہوئے ہیں۔ ہم پاکستانی شہری ہوتے ہوئے بھی ابھی تک وہاں کی تہذیبی زندگی کا حصہ نہ بن سکے ہماری پہچان ابھی بھی مہاجر نام سے ہی کی جاتی ہے اور ہم لوگ وہاں چالیس سال سے زیادہ عرصہ سے رہ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

رہے ہیں لیکن ابھی تک وہاں اجنبی ہی ہیں بلکہ جب ہم دہلی وغیرہ اپنے رشتہ داروں سے ملنے آتے ہیں تو ہمارا یہ اجنبی پن کچھ حد تک ختم ہو جاتا ہے ہم اپنے لوگوں میں اپنے پن کا احساس کرنے لگتے ہیں ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ اب وہاں سے واپس بھی نہیں آسکتے اور وہاں کے لوگ ہمیں اپنے معاشرے کا فرد ہی نہیں مانتے ہماری ابھی تک ان سے جدا ہی پہچان ہے۔

مجھے بہت دکھ ہوا کہ میں نے اپنے ہمسفر ساتھی کی دکھتی رگ پر انجانے میں ہاتھ رکھ دیا بہر حال پھر میں نے اپنی بات چیت کا موضوع بدل دیا اور اُن سے پوچھا آپ دہلی کتنا عرصہ رہے وغیرہ وغیرہ اور اس طرح باتوں ہی باتوں میں ہمارا یہ سفر کٹ گیا۔ ہمارا ہوائی جہاز لاہور ہوائی اڈہ کے رن وے پر پہلے تیز رفتاری اور پھر آہستہ آہستہ رینگنے لگا اس طرح تیس چالیس منٹ کی مسافت کے بعد ہم ہندوستان سے روانہ ہو کر پاکستان کی سرزمین پر اترے۔ کسٹم اور ویزا کی دیکھ بھال میں صرف دس منٹ صرف ہوئے ہونگے اور کوئی دس بجے تک (پاکستانی وقت کے مطابق) ہم ایرپورٹ سے باہر نکل آئے۔ باہر ملک صاحب ہمارا انتظار کر رہے تھے مجھ سے ملک صاحب ایک سال پہلے چالیس سال کے بعد مل چکے تھے لیکن میری بیوی ساوتری سے زندگی میں پہلی بار مل رہے تھے۔ ساوتری ان کی بلند شخصیت اور نہایت ہی سادہ طبیعت سے بہت متاثر ہوئی ہمارے پاس مختصر سامان تھا وہ ہم تینوں نے ملکر خود ہی اٹھالیا اور باہر ملک صاحب کی کار کھڑی تھی جسمیں سامان رکھ کر ہم قیام گاہ کی طرف چل دیئے کار ملک صاحب خود ہی ڈرائیو کر رہے تھے اور راستہ میں آنے والی جگہوں کی جانکاری بھی ساتھ ساتھ دے رہے تھے یہ سب جگہیں شاید تقسیم کے بعد وجود میں آئی تھیں۔ ملک صاحب نے راستہ میں فرمایا آج دن ہم لاہور میں ہی قیام کریں گے اور دوسرے دن دوپہر بعد ٹرین سے راولپنڈی، اسلام آباد کے لئے روانہ ہونگے ہمارے رات کے قیام کے لئے شادمان میں انتظام کیا ہوا تھا۔ یہ ایک نئی کالونی ہے جہاں حکومت پنجاب کے ملازموں کی رہائش کے لئے فلیٹ۔ کوارٹر اور کوٹھیاں تعمیر کی ہوئی ہیں۔ اس طرف تقسیم سے پہلے شاید پہلے کوئی ہندو بستی رہی ہوگی کیونکہ یہاں خستہ حالت میں کچھ مندر دکھائی دے رہے تھے جن کے کلش ابھی چمک رہے تھے۔ قیام گاہ پر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہم نے کچھ ناشتہ کیا نہا دھو کر کھانا کھایا اور تھوڑی دیر کے لئے آرام کیا۔

بعد دوپہر ملک صاحب ہمیں لاہور کی سیر کرانے کے لئے نکل پڑے لاہور پاکستان کے چار صوبوں میں سے ایک یعنی پنجاب کا صدر مقام ہے یہ سطح سمندر سے ۲۱۰ میٹر کی اونچائی پر دریائے راوی کے دو کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۴۰۴ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی لگ بھگ تیس لاکھ ہے۔ اس کا پاکستان کے شہروں میں ایک خاص مقام ہے یہ قدیم اور جدید تہذیب کا مرکز رہا ہے۔ لاہور کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ راجہ رام چندر کے بیٹے لو نے بسایا تھا جن کا ایک چھوٹا سا مندر ابھی بھی قلعہ کے عالمگیری دروازے کے نزدیک ہے سنسکرت میں اوّر کے معنی ہے طاقت لاہور یعنی لو کی طاقت یا لو کا شہر۔ تاریخی بیان کے مطابق لاہور آٹھویں صدی کے لگ بھگ عظیم حکمران للتادتہ کی باجگزار ریاست رہی ہے۔

دریائے راوی یا ایراوتی جو لاہور شہر سے دو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے یہ دیوی درگا کے ناموں میں سے ایک ہے اس شہر کو ۱۰۲۱ء میں محمد غزنی نے لاہور کے ہندو راجہ سے فتح کیا تھا تب غزنی کے دورِ حکومت میں ہندو عہد کے آثار قدیمہ کو تحس نحس کر دیا گیا۔ ہندو عہد کے بچے کھچے آثار قدیمہ بھی بعد میں مسلمان حملہ آوروں نے مسمار کر دیئے۔ موجودہ لاہور کی بنیاد مغل دور خاص طور پر اکبر اعظم جس نے اس کو اپنا دار السلطنت بنایا جانی جاتی ہے۔

شاد مان کالونی سے نکل کر ہم پرانی مال روڈ یا ٹھنڈی سڑک پر آ گئے۔ آجکل اس کا نام شاہراہ قائد اعظم ہے یہ اب بھی بہت خوبصورت شاہراہ ہے لیکن اُتنی ٹھنڈی نہیں رہی جتنی چالیس سال پہلے تھی اب اس کے کناروں کے درخت کچھ کم ہو گئے ہیں اور عمارات میں بھی کچھ اضافہ ہو گیا ہے ان میں نہایت ہی خوبصورت اور کافی بڑی عمارت واپڈا کی ہے لوئر مال پر پرانی میوزیم کی بلڈنگ میں اب بھی میوزیم ہے اور اس کے سامنے کم کی بہت بڑی قدیم توپ اب بھی موجود ہے جس کو زمزمہ بھی کہتے ہیں یہ توپ شاہ ولی خاں جو کہ احمد شاہ درانی کے وزیر تھے کے لئے بنائی گئی تھی جس کو پانی پت کی لڑائی میں استعمال کیا گیا تھا بعد میں یہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے قبضہ میں استعمال ہوتی رہی تھی یہاں سے ہم راوی روڈ پر پہنچے جہاں سے دریائے راوی پر بنے نئے پل کو پار کر کے شہنشاہ جہانگیر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کے مقبرے پر رُکے ۔

اکبر اعظم کے فرزند شاہزادہ سلیم کی پیدائش ۱۵۶۹ میں ہوئی تھی وہ ۱۶۰۵ میں جہانگیر کے لقب سے گدی نشیں ہوئے تھے ان کی وفات ۱۶۲۷ میں راجوری کے مقام پر ہوئی تھی لیکن یہ خبر ملکہ نورجہاں نے پوشیدہ رکھی لیکن جب جہانگیر کی لاش سے کچھ سڑاند کی بو آنی شروع ہونے لگی تو ان کے پیٹ سے ان کی آنتیں نکال کر راجوری سے پندرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر چنگس کے مقام پر دفنائی گئی تھیں وہاں پر بھی قلعے میں جہانگیر کا مقبرہ ہے لوگوں کا کہنا ہے کہ اس جگہ رات کو شہنشاہ جہانگیر کی روح انسانی شکل میں دیکھی گئی ہے ۔ بہر حال اب اس جگہ محکمہ پولس کے دفاتر ہیں لیکن یہ تو درست ہے کہ جہانگیر کی لاش کو راجوری سے لاہور لایا گیا اور ان کی وصیت کے مطابق دلکشا باغ جو کہ ان کی منظور نظر ملکہ نورجہاں کا خاص باغ تھا دفن کیا گیا ۔ مقبرہ سرخ پتھروں اور سنگ مرمر سے ایک اونچے چبوترے پر بنایا گیا ہے اس کے اطراف میں ایکصد اسی چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں اور چار کونوں پر چار بڑے بڑے مینار ہیں جو کہ دور دور سے دکھائی دیتے ہیں یہ مینار تقریباً تیس میٹر اونچے ہیں اور سفید ماربل کے بنے ہوئے ہیں یہ مقبرہ کوئی ۲۸ ہیکٹر باغ میں بنا ہے جو چھ حصوں میں منقسم ہے یہ حصے فصیلوں اور انہار کے ذریعہ سے ایک دوسرے سے جدا کئے گئے ہیں باغ میں پھولوں کے علاوہ زیبائشی اور پھل دار اشجار لگے ہوئے ہیں ۔ کچھ مورخوں کا خیال ہے کہ یہ مقبرہ نورجہاں نے بنوایا ہے لیکن کچھ کی رائے میں یہ شہنشاہ جہانگیر کے فرزند شاہ جہاں نے بنوایا ہے اس مقبرے کی دونوں طرف کی دیواروں پر نہایت خوبصورت عربی آیتیں تحریر کی گئی ہیں ۔ ہم کچھ دیر کے لئے باغ میں بیٹھے رہے ۔

شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے کے ساتھ ہی ملکہ نورجہاں کا مقبرہ بھی ہے نورجہاں ایک ایرانی شرفہ غیاث بیگ کی بیٹی تھی جو اکبر اعظم کے دربار میں کام کرتے تھے اور بعد میں جہانگیر نے انہیں اپنا وزیر اعلیٰ بنا دیا تھا نورجہاں کی شادی پہلے ایک جاگیر دار شیر افگن سے ہوئی تھی اور ۱۶۱۱ء میں ان کی دوسری شادی شہنشاہ جہانگیر سے ہوئی تھی آپ اپنے شوہر کے امور مملکت میں پوری طرح دلچسپی لیتی رہیں کہتے ہیں ان کے نام کا سکہ بھی رائج رہا ۔ ان کو نور محل کے لقب سے نوازا گیا ۔ یہ مقبرہ اب کھنڈر بن کر رہ گیا ہے اس کی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

تمام زیبائش سکھوں کے دور میں ختم ہو گئی ۔ اس کو ۱۹۱۲ء میں دہلی کے حکیم اجمل خاں صاحب نے دوبارہ اس تعمیر کی تجدید کی ہے ۔ شہنشاہ جہانگیر کے مقبرہ کے سامنے ہی آصف خاں کا مقبرہ ہے آصف خاں نور جہاں کے بھائی تھے ملکہ ارجمند بانو جو ممتاز محل کے لقب سے جانی جاتی ہیں کے والد تھے یہ مقبرہ شہنشاہ شاہ جہاں نے تعمیر کروایا تھا لیکن اب خستہ حالت میں ہے ۔

لاہور میں بہت سی قابل دید جگہیں ہیں لیکن ہمارے پاس وقت نہایت ہی کم تھا اسلئے ہم چیدہ چیدہ مقامات ہی دیکھ سکے اس کے بعد ہم مینار پاکستان پہنچے اس کو مورت خاں ارچی ٹیکٹ کی دیکھ ریکھ میں ۱۹۶۴ میں تعمیر کیا گیا تھا یہ جگہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء کی اُس قرارداد جس میں پاکستان کا مطالبہ کیا گیا تھا کی یادگار میں تعمیر ہے ۔ مینار پاکستان کے سامنے ہی لاہور کا تاریخی قلعہ ہے ۔

اس قلعہ کی بناوٹ کی ابتداء کے متعلق کچھ مصدقہ مواد دستیاب نہیں لیکن آثار قدیمہ کی تحقیقات کے مطابق اس کی کھدائی سے ہندو دور کے آثار کے ثبوت بھی ملتے ہیں محمد غزنی کے وقت کے سکے بھی پائے گئے ہیں ۔ بہر حال موجودہ قلعہ کی بنیاد سابقہ پرانے قلعہ کو مسمار کر کے اکبر اعظم نے رکھی تھی ۔ اس کا مستی دروازہ اکبر نے ہی بنوایا تھا اور قلعہ کی چاردیواری اکبر کے عہد میں ہی ہوئی موجودہ قلعہ کی بنیاد کے متعلق وثوق سے کچھ کہا تو نہیں جاسکتا لیکن اس کی بنیاد ۱۵۵۶ء اور ۱۵۶۵ء کے درمیان میں بتائی جاسکتی ہے ۔ سب ہی مغل بادشاہ اپنے اپنے دور حکومت میں اس قلعے کی تعمیر میں اضافہ کرتے رہے اُسکے بعد سکھوں کا دور آیا انھوں نے بھی دریائے راوی کی جانب اس کی حد بندی کی اور کچھ عمارتوں پر اُوپری منزلیں تعمیر کروائیں ۔ ۱۸۴۶ء میں اس پر بدیسی سرکار کا قبضہ ہوا اور اس کو چھاونی کے طور پر استعمال میں لایا گیا لیکن پھر ۱۹۲۷ء میں اس کو محکمہ آثار قدیمہ کے حوالہ کیا گیا تھا ۔ یہ قلعہ لاہور کے آثار قدیمہ میں سب سے زیادہ قابل دید ہے اس کے کچھ حصے نہایت ہی جاذب نظر ہیں جیسے شیش محل ، دیوان عام ، جھروکا ، شاہ برج وغیرہ دیوان عام کی پچھلی طرف ایک خوبصورت باغ میں شہنشاہ جہانگیر کی عدالت تھی ۔ اُس

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کے سامنے پانی کا ایک تالاب ہے جس کے درمیان میں تیس سے زیادہ فوارے جو اس کی خوبصورتی کو نمایاں وسعت دے رہے ہیں۔ موتی مسجد گو بہت چھوٹی سی ہے لیکن سفید سنگ مرمر جس سے یہ مسجد تعمیر کی ہوئی ہے اس کو موتی جیسی چمک دمک عطا کی ہوئی ہے شاہ برج کے مغرب کی جانب بنگلہ ہے جو نولکھا کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اُس وقت اس کے بنانے میں نو لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا اس کا نہایت ہی خوبصورت صحن بالکل خالص اور شفاف سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے اِس کی دیواروں پر کی گئی چتر کاری اس کی چھت پر شیشے اور قیمتی پتھروں کی سجاوٹ شاید سکھ دور کا اضافہ ہے، شاہ برج کی دیواروں پر بھی نہایت ہی نفیس چتر کاری کی گئی ہے جو تین صدیاں گزرنے پر بھی اپنی نفاست قائم رکھے ہوئے ہیں یہ چتر کاری جہانگیر اور شاہ جہاں کے دور کی بتائی جاتی ہے قلعہ کے بالکل سامنے حضوری باغ راجہ رنجیت سنگھ نے بنوایا ہے شاہی مسجد کے سامنے عالم گیری دروازہ ہے جس کی تعمیر اورنگ زیب عالمگیر نے اس وقت کروائی تھی جس وقت اُس نے شاہی مسجد کی تعمیر کراوائی۔ عالمگیری دروازہ کے سامنے حضوری باغ کے درمیان راجہ رنجیت سنگھ کی بارہ دری ہے یہ سفید سنگ مرمر سے بنی ہوئی ہے اِس کے بارہ دروازے ہیں جن میں سفید اور شفاف سنگ مرمر کے فریم لگے ہوئے ہیں۔ اس بارہ دری میں رنجیت سنگھ اپنا دربار منعقد کیا کرتا تھا اور انگریزوں کے قابل قدر نمائندوں سے ملاقات کرتا تھا۔ علامہ اقبال شاعر مشرق کا جنم ۱۸۷۳ء میں سیالکوٹ میں ہوا تھا اور انھوں نے ۱۹۳۶ء میں لاہور میں وفات پائی شاعر مشرق کا مقبرہ لال پتھروں سے شاہی مسجد کے بڑے دروازے کے ساتھ ہی ایک مینار کے قریب ۱۹۵۱ء میں بنایا گیا ہے اندر کی دیواروں پر ان کی تصنیف "زبور انجم" کے چھ بند لکھے ہوئے ہیں مقبرہ شفاف Translucid سنگ مرمر سے بنا ہوا ہے اس پر شعر کے دو بند لکھے ہوئے ہیں جن میں مذہبی رواداری کو ان کا میراث تسلیم کیا گیا ہے۔

حضوری باغ اور قلعے کے سامنے شاہی مسجد ہے یہ مغلوں کی فن تعمیر کا آخری نمونہ ہے یہ دہلی کی جامع مسجد اور آگرہ کی جامع مسجد کے بعد تعمیر ہوئی ہے۔ اس مسجد کو ۱۶۷۴ء میں اورنگ زیب کے دودھ بھائی فدائی خان نے تعمیر کروایا ایسا مسجد کے دروازے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

پر تحریر ہے مسجد کے چار کونوں میں آٹھ کونے اکار کے چار مینار ہیں ان میناروں کے اوپر گنبد نما گیلری بنائی ہوئی ہے جو کہ گلدستہ کی شکل کی ہے مسجد کے صحن میں ایک پندرہ میٹر چوکور تالاب ہے جو پون میٹر گہرا ہے اِس مسجد میں حضرت محمدؐ صاحب اُن کی بیٹی حضرت فاطمہؓ اور اسلام کے دیگر صوفیوں کے، ۲ آثار محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

قلعہ کے دروازے کی مغرب کی جانب سکھوں کا احاطہ ہے اس کے اندر جانے کی اجازت صرف سکھ بھائیوں کو ہی ہے اس احاطہ میں پانچویں گردوارجن مہاراج جنہوں نے سورن مندر اور گرنتھ صاحب کی رچنا کی ان کی سمادھی کے علاوہ راجہ رنجیت سنگھ کی بھی سمادھی ہے جس کی تعمیر ان کے بیٹے کھڑک سنگھ نے شروع کروائی تھی اور جس کو ۱۸۴۸ء میں سردار دلیپ سنگھ کے دور حکومت میں مکمل کیا گیا۔ گروارجن کی سمادھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی تعمیر کی ہوئی ہے۔

اب کافی دیر ہو رہی تھی ہم قلعے کے احاطہ سے نکل کر سرکیولہ روڈ کے راستہ سے واپس آنے لگے۔ حضوری باغ کی طرف سے باہر نکلتے ہی ہیرا منڈی آتی ہے جسکو راجہ رنجیت سنگھ کے وزیر اعظم راجہ دھیان سنگھ نے تعمیر کروایا تھا۔ آگے چل کر نونہال سنگھ کا محل آتا ہے جس میں آجکل گرلز اسکول ہے اس کے مشرق کی طرف سنہری مسجد ہے، جو کشمیری بازار کی رونق ہے پرانے شہر کی فصیل کے چاروں طرف گیارہ دروازے تھے ان میں سے کچھ مسمار ہو گئے ہیں پرانے شہر سے نکلتے ہوئے ہم شاہ عالمی دروازے کے پاس سے گزرے تھے یہاں مجھے یاد آیا کہ جب میں ۱۹۴۶-۴۷ء میں لاہور میں تھا تو شاہ عالمی دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی ایک چھوٹی گلی کے سرے پر چھجو کا چوبارہ تھا اس چوبارے کے دوسری منزل پر ایک چھوٹے سے کمرے میں رہتا تھا۔ اس چوبارے میں نیچے ایک چھوٹا سا ہنومان مندر تھا وہاں پر ہم منگل وار کو خوب پرساد کھاتے تھے اس کی دیواروں پر مغل تعمیرات کی طرح بہت ہی جاذب نظر چترکاری کی ہوئی تھی یہ چوبارہ نہایت ہی صاف ستھرا اور نفیس فن تعمیر کا نادر نمونہ تھی اسی لئے کسی نے کہا ہو گا کہ جو سکھ چھجو کے چوبارے وہ نہ بلخ نہ بخارے۔ خیر جو بھی یہ کہاوت ہو میں نے تو چند ماہ چھجو کے چوبارے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

میں بڑے آرام اور آسائش سے گزارے تھے۔ شاہ عالمی دروازے کے اندر زیادہ تر ہندو رہتے تھے اس لئے ۱۹۴۷ء میں اسکو بالکل ہی مسمار کر دیا گیا اس دروازے کے سامنے بڑا بھاری شیتلا دیوی کا مندر رہتا اس کا بھی اب نام ونشان ہی مٹ گیا تھا۔ میں چھجو کا چوبارا بھی نہ دیکھ سکا۔ یہاں ایک کشادہ سڑک بنی ہوئی ہے جو پرانے شہر کو نئی آبادی سے ملاتی ہے۔ اب تقریباً رات ہو چکی تھی ہم قیام گاہ پر پہنچے تو بہت تھک چکے تھے۔ تھوڑا بہت کھانا کھایا اور گہری نیند سو گئے۔

دوسرے دن ۲۵ مارچ کو ہماری ٹرین بعد دوپہر تین بجے کی تھی اس لئے ہم ناشتہ کر کے گلبرگ کالونی دیکھنے چلے گئے۔ یہ لاہور کی جدید بستیوں میں سے ایک ہے یہاں زیادہ تر شرفا اور اُمرا رہتے ہیں یہاں کی مارکیٹ نہایت ہی پُر کشش ہے۔ اور چیزیں بھی دوسری جگہوں سے زیادہ داموں پر بکتی ہیں کیونکہ یہ شرفا کی بستی ہے۔ تھوڑی دیر یہاں گھومنے کے بعد ہم پھر واپس انارکلی کی طرف چل دیئے راستہ میں گورنمنٹ کے دفاتر کی عمارات دیکھتے ہوئے ہم انارکلی بازار پہنچے۔ یہ لاہور شہر کا پر رونق چکا چوند بازار ہے اس کے چھوٹے چھوٹے مارکیٹ نہایت ہی پُر کشش ہیں جہاں چھوٹی چھوٹی دوکانوں میں روایتی دستکاری کی مصنوعات نہایت قرینہ سے سجائی ہوئی تھیں یہاں چمڑے کا سامان چوڑیاں۔ کشیدہ کئے ہوئے شال۔ کپڑے سلائی کئے ہوئے کپڑے۔ سونے چاندی کے زیورات غرضیکہ جس چیز کی بھی آپ خواہش کریں یہاں مل سکتی ہے۔ اس بازار میں خریداروں کی کافی بھیڑ رہتی ہے یہاں چیزیں کچھ سستی ملتی ہیں اب انارکلی کے بھی دو بازار بن گئے ہیں ایک پرانی انارکلی اور دوسری اس سے ذرا آگے چل کر نئی انارکلی ہے یہاں ہم نے حبیب بنک سے اپنی ضرورت کے مطابق پاکستانی کرنسی خریدی اور واپس آ گئے واپسی پر اسمبلی ہال اور اس کے سامنے بنائے گئے ۴۸ میٹر اونچے ٹاور کو دیکھا جو کہ ''۱۹۷۶ء میں اسلامی سمٹ کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ میرا بہت اشتیاق تھا کہ لاہور کا میوزیم بھی اچھی طرح سے دیکھوں لیکن وقت کی کمی کی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔

لاہور میں سیر وسیاحت اور دلچسپی کے بہترین مقامات ہیں جن میں شالیمار

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

باغ۔ باغِ جناح۔ ہرن مینار وغیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں یہ سب تو فرصت سے دیکھنے کی جگہیں ہیں چلتے چلتے تو تھوڑا بہت دیکھا جا سکتا تھا۔ ہم تین بجے بذریعہ ٹرین لاہور سے راولپنڈی اسلام آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ ملک صاحب نے پہلے سے ہی ہمارے لئے اے سی چیر کار کی سیٹیں بک کروا رکھی تھیں اس لئے کوئی دقت نہیں ہوئی۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سفر ـــــ اسلام آباد تک

لاہور ریلوے سٹیشن پر ہمیں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آئی ۔ میری اور ساوتری کی ملک صاحب کے ساتھ چیر کار میں ۳۲ سیٹ مخصوص تھیں ۔ جن پر ہم بیٹھ گئے ۔ اس میں ہر سمت دو دو سیٹیں تھیں اور درمیان میں کشادہ راستہ تھا ہمارے ہاں کی چیر کار کی سیٹوں سے کچھ کشادہ ہیں اور درمیان کا راستہ بھی قدرے کھلا ہوا ہے یہ شاید اس لئے ہوگا کہ وہاں کے مسافروں کا وجود بھی ہمارے ہاں کے مسافروں سے شاید بڑا ہے بہر حال یہ چیر کار اچھے خاصے رستوران کی طرح تھی ۔ جس میں ہر سیٹ کے سامنے چھوٹا سا فولڈنگ ٹیبل تھا جس پر چائے یا دیگر کھانے کا سامان آسانی سے تناول کیا جاسکتا تھا ۔ ٹرین کے چلنے کے ساتھ ہی بیرر نے سب مسافروں کو پانی پیش کیا جیسے کہ ہر اچھے رستوران میں اکثر ہوتا ہے ۔ پانی پلانے کے ساتھ ہی مسافروں سے خورد ونوش کے آرڈر لینے شروع ہو گئے تقریباً نوے فیصدی مسافروں نے کچھ نہ کچھ آرڈر دیا ۔ ساوتری نے بھی چائے پینے کی فرمائش کی ۔ چائے تو لائی گئی لیکن اس کے ساتھ سینڈوچ بھی تھے ہم نے خالی چائے کے لئے کہا تو بتایا گیا کہ خالی چائے نہیں ملتی یہ سینڈوچ بھی چائے کا جزو ہیں بہر حال ہم چائے کے ساتھ سینڈوچ کھانے ہی والے تھے کہ ملک صاحب نے منع کیا کہ یہ چکن سینڈوچ ہیں اس لئے ہم نہیں کھاتیں ملک صاحب اور ان کے ہم سفر ساتھی نے ایک ایک سینڈوچ تناول فرمائی اور ہمیں ملک صاحب کے ساتھی نے کچھ بسکٹ کھانے کے لئے دیئے ۔ لاہور سے راولپنڈی کا سفر لگ بھگ پانچ گھنٹہ کا تھا اور اس تمام سفر کے دوران ہماری چیر کار کے دونوں بیرر مسافروں کے لئے خورد ونوش کا سامان لانے میں مکمل طور پر مصروف رہے ۔ کچھ مسافروں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

نے تو اپنے ساتھ کافی کھانے پینے کا سامان لایا تھا جس کو وہ وہاں سے ملنے والے کھانے پینے والی اشیاء کے ساتھ ساتھ تناول فرما رہے تھے وہاں ہر کھانے والی چیز میں گوشت ایک لازمی جزو ہے۔

آلو کے چپس میں بھی مرغی کے گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے شامل ہوتے ہیں غرضیکہ گوشت کے بنا کسی بھی کھانے والی چیز کو مکمل نہیں مانا جاتا۔ بعد میں بھی اپنے سفر اور قیام کے دوراں ہم نے محسوس کیا کہ وہاں کسی بھی ضیافت وہ چائے ناشتہ کی ہو یا کھانے کی ہو گوشت کے بنا اس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ میں اور ساوتری گوشت انڈے ہی نہیں بلکہ لہسن پیاز کے استعمال سے بھی پرہیز کرتے ہیں وہاں تو سبزی اور دال لہسن پیاز کے بنا بن ہی نہیں سکتیں اس لئے وہاں گھومنے اور قیام کے دوران سب سے بڑی دقت ہمارے کھانے پینے کی ہی تھی ہمارے لئے سبزی اور دال بھی بغیر لہسن پیاز کے بنائی ہوتی تھی اس طرح ہم ہر کھانے کی دعوت کے ٹیبل پر بالکل اچھوت بنتے ایک دن ملک صاحب کی لڑکی فوضیہ نے حیرانی سے دریافت کیا کہ ہم گوشت تو نہیں کھاتے لیکن مرغی اور انڈا بھی نہیں کھاتے ان کے نزدیک گوشت صرف بھیڑ، بکری، بڑے جانوروں کا ہی ہونا ہے مرغی انڈے کو سبزی دال اور گوشت کے درمیان کھانے والی تیسری چیز ہے۔

راولپنڈی سٹیشن سے پہلے جب بیرر مسافروں سے بل وصول کر رہا تھا تو ہم نے دیکھا کہ خورد و نوش کا بل ٹکٹ کی قیمت سے کہیں زیادہ ہی تھا کم نہیں۔ اس سے پاکستانی بھائیوں کی صحت اور ہاضمہ کا اندازہ ہو سکا۔

لاہور سے چل کر ٹرین بادامی باغ رکی۔ اب تو لاہور کی آبادی بادامی باغ سے بھی آگے نکل چکی ہے لیکن بادامی باغ کی اب وہ خوبصورتی نہیں رہی جو پہلے ہوا کرتی تھی۔ یہاں تو صرف چھوٹے چھوٹے ڈیری فارم ہیں جہاں مویشیوں کا گوبر وغیرہ ہر طرف بکھرا ہوا دکھائی دیتا ہے بادامی باغ کے بعد گوجرانولہ کا سٹیشن آیا وہاں سے چل کر ٹرین وزیر آباد کے جنکشن پر رکی اس سٹیشن سے میری بہت سی پرانی یادیں جڑی ہوئی ہیں ہم جب کبھی بھی مظفر آباد سے راولپنڈی کے راستہ جموں جاتے تھے تو ہمیں راولپنڈی سے چل کر وزیر آباد سے جموں کیلئے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

گاڑی بدلنی پڑتی تھی اور اسی طرح جب جموں سے مظفر آباد براستہ راولپنڈی جانا ہوتا تھا تو بھی وزیر آباد سے گاڑی بدلنی پڑتی تھی اس ریلوے سٹیشن سے تو میں اس لئے بھی مانوس ہوں یہاں ہمارے ساتھ ایک حادثہ پیش آیا تھا۔ میں اور میرا دوست وجماعتی کو بخ بہاری ماسٹر آسانند جی کے ساتھ اس راستہ سے جموں جا رہے تھے یہاں پر جب ہم نے گاڑی بدلی تو کو بخ بہاری برتھ کے اوپر سامان رکھنے والے پھٹے پر سو گیے میں اور آسانند جی نیچے سیٹ پر بیٹھ گئے ان دنوں سیلپر نہیں ہوتے تھے ابھی گاڑی سٹیشن سے روانہ ہی نہیں ہوئی تھی کہ کو بخ بہاری اوپر سے نیچے گر گیا ہم نے سوچا شاید کروٹ بدلنے سے گر پڑا ہے لیکن جب ہم اُسے اٹھانے لگے تو وہ بازو اور ٹانگیں زور زور سے جھٹکنے لگا۔ اس کا جسم اکڑ گیا اور منہ سے جھاگ نکلنی شروع ہو گئی۔ ہم بہت گھبرائے اور کچھ دیگر مسافروں کی مدد سے اُسے اُٹھا کر گاڑی کے ڈبّہ سے باہر نکالا اور ہم بھی اپنا سامان لے کر گاڑی سے اُتر گئے۔ اسے پاس والے ریلوے ہسپتال میں لے گئے وہاں پتہ چلا کہ یہ مرگی کا دورہ تھا۔ یہ نامراد بیماری جو کو بخ بہاری کو اس اسٹیشن سے شروع ہوئی ساری عمر اُس کی ساتھی رہی۔ وزیر آباد کے ساتھ بچپن کی یہ ہیبت ناک یاد آج تک جڑی ہوئی ہے۔ وزیر آباد سے چل کر ٹرین گجرات رکی۔ یہاں سے ایک سیدھی سڑک جموں کشمیر کے چھمب شہر کو جاتی ہے جو اب پاکستان کے زیر قبضہ ہے گجرات کے بعد لالہ موسہ آتا ہے وہاں سے چل کر گاڑی جہلم سٹیشن پر رکی۔ یہاں ساوتری کے ننھیال تھے اور بچپن میں اکثر وہ اپنے ماموں اور نانی کے پاس آیا کرتی تھیں۔ اس نے اپنے ماموں کے گھر کو پہچاننے کی کوشش کی لیکن یاداشت نے ساتھ نہیں دیا۔ یہاں سے ہو کر ہی میرپور (جموں کشمیر) کو راستہ جاتا ہے میرپور کے لئے اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ یہاں سے آگے چڑھائی شروع ہو جاتی ہے اور گاڑی کی رفتار قدرے سست ہو جاتی ہے جہلم کے بعد دینہ وغیرہ ایک دو چھوٹے سٹیشنوں پر گاڑی رکی اور کوئی نو بجے کے لگ بھگ ہم راولپنڈی سٹیشن پر پہنچ گئے۔

ہم نے اپنا سامان خود ہی اٹھایا اور سٹیشن سے باہر نکل آئے باہر ملک صاحب کا بڑا لڑکا کار لیکر ہمارا انتظار کر رہا تھا ہم کار میں بیٹھ کر اسلام آباد کے لئے براستہ مری روڈ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

روانہ ہو گئے۔ یہ راستہ کوئی بیس پچیس کلومیٹر کا تھا۔ لیکن کسی کسی جگہ سڑک اوبڑ کھابڑ تھی ہم کوئی پون گھنٹے بعد ملک صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ بھابھی ساوتری سے ملکر بہت ہی خوش ہوئیں۔ ملک صاحب کی بڑی ہمشیرہ سکینہ آپا بھی وہاں موجود تھیں سکینہ آپا میرے دوست قیوم لالہ صاحب کی رفیقہ حیات ہیں سکینہ آپا اور ساوتری آپس میں خوب گپ شپ کرتی رہیں اور بھابھی کھانے کا اہتمام کرنے لگیں اسلام آباد کو انگریزی زبان کے حروف تہجی کے حساب سے تقسیم کیا ہوا ہے ان کو پھر اوینوز میں تقسیم کیا ہوا ہے ملک صاحب کی کوٹھی ۴ سیکٹر میں دس اوینو میں ہے یہ حصہ ابھی زیر تعمیر ہے اس لئے ابھی اس طرف کوئی خاص چہل پہل نظر نہیں آرہی تھی فقط سڑکوں پر بنائی جارہی عمارتوں میں استعمال ہونے والی ریت بجری اور اینٹ وغیرہ کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، سڑکوں پر ابھی روشنی کا بھی خاطر خواہ انتظام نہیں تھا یہ اسلام آباد کا ویسے بھی آخری حصہ ہے اس سے آگے کھیت ہی کھیت ہیں جن میں شاید کوئی مزید پلاننگ بعد کے لئے بنائی گئی ہوگی۔

ہمارے پندرہ دن کے اس پروگرام میں دو تین دن ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے سفر میں صرف ہوئے باقی کے بارہ دنوں میں کوئی ایک ڈیڑھ دن لاہور میں گھومے لگ بھگ تین دن مظفر آباد میں رہے ہونگے اور باقی سات آٹھ دن اسلام آباد میں ہی رہے۔

اسلام آباد اور راولپنڈی دو جڑواں شہر ہیں یا ایک ہی شہر کے دو حصے ہیں۔ ایک قدیم شہر راولپنڈی اور دوسرا جدید شہر اسلام آباد راولپنڈی کا رقبہ ۲۴۳ مربع کلومیٹر ہے اور آبادی آٹھ لاکھ سے کچھ زیادہ ہے سطح سمندر سے اونچائی ۵۱۰ میٹر ہے یہ گنجان آباد شہر ہے یہاں ایک خاص بات مشاہدہ میں آئی کہ یہاں کے پرانے شہر میں بہت سے بڑے بڑے سائین بورڈ جیوتش اور راشی پھل بتانے والے جیوتشیوں کے لگے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ جن پر گرہ چکر خاص نمایاں طور پر بنے ہوئے تھے ہمیں ان میں سے کسی جیوتشی کے دفتر میں جانے کا موقع تو نہیں ملا لیکن ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں کے رہنے والے اس پرانی ہندو تہذیب کی روایات کو بھول نہیں پائے ہیں بلکہ اُسی طرح سے اس کے قائل ہیں جس طرح سے وہاں کے رہنے والے ہندو تھے۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

اسلام آباد کا رقبہ ۹۱۰ مربع کلومیٹر ہے جبکہ آبادی صرف دو لاکھ سے کچھ ہی زیادہ ہے اس کی سطح سمندر سے اونچائی پانچ صد سے چھ صد میٹر تک ہے یہ شہر ابھی آباد ہو رہا ہے اس کی بنیاد ۱۹۶۱ء میں صدر محمد ایوب خاں نے رکھی تھی۔ اسلام آباد کی پشت پر پوٹھوہار علاقہ کی مارگلا پہاڑیاں ہیں آثار قدیمہ کے ماہرین کی رائے ہے کہ اس پوٹھوہار علاقے کی تہذیب اتنی قدیم ہے جتنی کی انسانی تہذیب کی اِرتقا کی جہاں راولپنڈی میں ابھی سبھی روایتی ادھار موجود ہیں وہاں اسلام آباد دنیا کے جدید ترین بنائے گئے دار الخلافوں میں سے ایک ہے۔ اس کی ہریالی اور ترتیب اپنی مثال آپ ہی ہے اس کی خوبصورتی اور جاذب نظر ہونے کا راز اس بات میں ہے کہ اِس کے قدرتی ماحول اور بیش قیمتی قدرت کے عطا کئے ہوئے اثاثے کو محفوظ رکھا گیا ہے آبادی ابھی E سے لیکر (آئی) و سیکٹر میں ہی ہے جن میں A سے لیکر D سیکٹر تک ابھی خالی زمین ہے E سیکٹر کا بھی کچھ حصہ خالی ہے جہاں شاہ فیصل مسجد تعمیر ہوئی ہے الیف اور جی سیکٹر ہی پوری طرح بنے ہوئے ہیں جن کو شالیمار اور رامنا کی رہائشی عمارتیں ہیں۔ ان کے مرکز میں خریداری کے مراکز بھی ہیں شالیمار اور رامنا کے ۵ اینویں حکومت پاکستان کا سکریٹریٹ اور ایوان صدر واقع ہیں یہ جدید طرز کی تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہیں۔ ایوان صدر کے ساتھ ہی پارلمنٹ کی عمارت ہے یہ دونوں عمارتیں فن تعمیر کے کمال کو اُجاگر کرتی ہیں اس سے تھوڑا آگے ڈپلومیٹ اینکلیو ہے جہاں سبھی بیرونی ممالک کے سفارت خانے ہیں دوسری جانب پاکستان کی سبھی صوبوں کے اپنے اپنے گیسٹ ہاوس ہیں یہاں پرنس آغا خاں گیسٹ ہاوس بھی ہے۔

دوران قیام اسلام آباد ہم کچھ قابل دید جگہیں دیکھنے گئے ان میں شاہ فیصل مسجد اور دامن کوہ قابل ذکر ہیں۔ شاہ فیصل مسجد فن تعمیر کا ایک نادر مرقع ہے۔ اس کی تعمیر میں جو میٹریل استعمال میں لایا گیا ہے وہ زیادہ تر باہر سے درآمد ہوا ہے یہاں تک کہ فرش پر لگی ہوئی چیس کی ٹائلیں بھی باہر سے آئی ہیں یہ شیشے کی طرح شفاف ہیں جن کی چمک دائمی ہے۔ مسجد کے چار کونوں پر چار مینار ہیں جو خلا میں بھیجے جانے والے راکٹ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کی شکل کے ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضا میں چھوڑے جانے کے لئے تیار ہیں ۔ مسجد کی چھت پر اور اندر بھی کئی جگہ سونے کا استعمال کیا گیا ہے ۔ سونے کے حروف سے قرآن شریف کی آیات تحریر کی ہوئی ہیں ۔ مسجد کے اندر شاید جمعہ کے دن ہی نماز ادا کرنے کے لئے جانے دیا جاتا ہے باقی دن اِس کے دروازے بند ہوتے ہیں لیکن بڑے بڑے شیشے کے فریم جو مسجد کے چاروں اطراف لگے ہوئے ہیں ان سے سب کچھ دکھائی دیتا ہے ۔ سامنے ایک خوبصورت تالاب ہے باہر جوتے رکھنے کے لئے کافی اچھا انتظام ہے جدید قسم کے بیت الخلا مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بنائے ہوئے ہیں ایسا سب انتظام کسی پانچ تارے والے ہوٹل میں ہی میسر ہو سکتا ہے مسجد کی پچھلی طرف اسلامی یونیورسٹی کی عمارت ہے یہ مسجد بھی تاج محل کی طرح ایک عجوبہ کا مقام لینے کے لئے ہی بنائی گئی ہے ۔ مسجد کے سامنے مرحوم صدر ضیاء الحق کا مقبرہ ہے ۔ کچھ لوگ تو مسجد کی خوبصورتی دیکھنے آتے ہیں اور کچھ جو ضیاء الحق صاحب کے مداح ہیں وہ ان کے مقبرے پر حاضری دینے آتے ہیں ۔ دہلی میں ایرانی بہائی مت کو ماننے والوں نے بھی ایک مندر کی تعمیر کی ہے جو آدھ کھلے ہوئے کنول پھول کے آکار کا ہے اس مندر کی تعمیر میں اتنا قیمتی میٹریل تو نہیں لگا ہوا ہے جیسا کہ شاہ فیصل مسجد کی تعمیر میں استعمال ہوا ہے شاہ فیصل مسجد کا آکار بھی بہائی مندر سے کافی بڑا ہے لیکن ڈیزائین کے لحاظ سے بھائی مندر زیادہ جاذب نظر ہے اِس کی کنول کی پنکھڑیوں کی بناوٹ بھی انوکھی قسم کی ہے اسی طرح تاج محل کی بناوٹ بھی اس مسجد کی بناوٹ سے کافی مختلف ہے اور اپنی ہی وضع کی ہے ۔ بہر حال یہ باریکیاں تو کوئی کلا پریمی ہی بکھان کر سکتا ہے ۔ ہم تو اس مسجد کی بناوٹ اور رکھ رکھاؤ سے کافی متاثر ہوئے اور وہاں سے دامنِ کوہ کی طرف روانہ ہو گئے دامنِ کوہ مارگلا پہاڑیوں پر ایک قابل دید جگہ ہے یہاں سے اسلام آباد کا پورا شہر دکھائی دیتا ہے ۔ یہاں ہم کافی دیر بیٹھ کر اسلام آباد شہر کا نظارہ کرتے رہے ساوتری کو اسلام آباد شہر کی ہریالی اور اشجار کی بہتات بہت اچھی لگیں ۔ اس دامن کوہ کے ریسٹ ہاوس میں سارک ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس بھی منعقد ہوئی تھی ۔ یہاں ناشتہ وغیرہ کا بھی اہتمام ہو سکتا ہے اس جگہ کو کافی سنوارہ سجایا گیا ہے اور یہاں قدرتی خوبصورتی کی بھی کوئی کمی نہیں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہے ۔ یہاں بچوں کا چھوٹا سا پارک اور چھوٹا سا چڑیا گھر بھی ہے ۔ تفریح کے لئے یہ نہایت ہی مناسب مقام ہے ۔

شکر پڑیاں اسلام آباد کی مقبول سیر گاہ ہے یہاں شکر جیسی پڑیاں (پہاڑی زبان میں بڑے بڑے پتھروں کو کہتے ہیں) جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام شکر پڑیاں ہے، یہ مارگلا پہاڑیوں کے دامن میں کافی اونچائی پر واقع ہے ۔ یہاں سے بھی اسلام آباد کا نظارہ دیکھا جا سکتا ہے اس کی دوسری طرف راول جھیل ہے یہ صاف اور شفاف پانی کی مصنوعی جھیل ہے یہاں بوٹنگ اور مچھلی کے شکار کا بھی انتظام ہے اور تفریح کے لئے نہایت موزوں جگہ ہے ۔ شکر پڑیاں میں نہایت دلکش چھوٹے چھوٹے پھولوں کے باغیچے ہیں ۔ اور اس جگہ کی سب سے بڑی دلچسپی یہ ہے کہ یہاں جب بھی کوئی بیرون ملک کا سربراہ آتا ہے اپنے نام کا پودا لگاتا ہے چنانچہ یہاں چین سے لیکر ہندوستان کے سربراہان حکومت کے لگائے ہوئے پودے ہیں جناب راجیو گاندھی جب سارک کانفرنس میں حصّہ لینے گئے تھے تو انھوں نے بھی اپنے نام کا پودا یہاں لگایا تھا یہ پودے زیادہ تر چیل کے ہیں یہاں ویسے بھی چیل کے پودے فضا میں ٹھنڈی اور بھینی بھینی ہوا بکھیرتے ہیں شام کو یہاں اسلام آباد میں جگمگاتے بجلی کے بڑے بڑے بلب اور رنگا رنگ ٹیوب لائٹیں بہت سہانی دکھائی دیتی ہیں یہاں سے شاہ فیصل مسجد بھی روشنی میں جگ مگاتی دکھائی دیتی ہے شکر پڑیاں آنے سے پہلے ہم تھوڑی دیر کے لئے گلاب اور چنبیلی کے پھولوں کے باغ میں بھی رُکے تھے یہ پچاس ایکڑ کے رقبہ میں پھیلا ہوا نہایت ہی خوبصورت باغ ہے کہا جاتا ہے کہ اس باغ میں ڈھائی صد گلاب اور درجنوں چنبیلی کی اقسام نصب ہیں ۔ یہاں اکثر پھولوں کے مقابلے منعقد کئے جاتے ہیں ۔ اُس دن بھی کسی ایسے ہی مقابلہ کا اہتمام ہو رہا تھا اس لئے کافی چہل تھی ۔ ایک سر سبز میدان میں پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے جو کہ مقابلہ کے لئے سجا کر رکھے ہوئے تھے پھولوں کے شائقین اِن مختلف اقسام کے پھولوں کا نظارہ کر کے لطف اندوز ہو رہے تھے اس باغ کے نزدیک ہی ایک بہت بڑا اسپورٹس کمپلیکس ہے جو چین کی مدد سے تعمیر کیا گیا ہے یہاں بہت سی آوٹ ڈور اور اِن ڈور کھیلوں کا خاطر خواہ اہتمام کیا ہوا ہے ۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہم عموماً ملک صاحب کے ساتھ کار میں ہی گھومتے تھے۔ ایک دن ہم نے ارادہ ظاہر کیا کہ ہم کچھ دیر وہاں کی بسوں میں بھی سفر کر کے دیکھیں۔ دوسرے دن ہم قیام گاہ کے نزدیک ہی جو بس سٹاپ تھا وہاں چلے گئے ہمارے ساتھ واجد علی صاحب بھی رہنمائی کے لئے ساتھ تھے اس سٹاپ سے صرف ویگنیں چلتی تھیں یہ ویگن ہمارے ہاں کی منی بس سے چھوٹی ہے اس کی اگلی دو سیٹیں چھوٹی ہیں اس پر پانچ چھ سواریاں بیٹھتی ہیں پیچھے کی دو سیٹوں پر دس کے لگ بھگ سواریوں کی جگہ ہے۔ اگلی دو سیٹیں عورتوں کے لئے مخصوص ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہوگا کہ زنانہ سیٹوں پر مرد بیٹھ سکیں بھلے ہی یہ سیٹیں خالی رہیں ان پر صرف مستورات کو ہی بٹھایا جاتا ہے اگر عورتوں کی کوئی سیٹ خالی نہیں ہے تو کسی بھی خاتون سواری کو نہیں بیٹھائیں گے مستورات میں کوئی خاص پردہ نہیں سب کو ہی تقریباً شلوار، قمیص اور دوپٹہ لئے دیکھا دوپٹہ گلے میں ڈالنے کے لئے نہیں رہتا بلکہ سر ڈھانپنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ساڑھی کا رواج بہت کم دیکھا کہا جاتا ہے یہ کبھی بیاہ شادی یا کسی خاص پارٹی میں پہنی جاتی ہے۔ کبھی کبھار کوئی کم عمر لڑکی جینز وغیرہ میں بھی ملبوس دکھائی دی۔ عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا کبھی کوئی واقعہ دیکھنے میں نہیں آیا لڑکیوں اور عورتوں کو بھی کبھی بے حیائی سے گھومتے نہیں دیکھا کوئی بھی اس جھمیلے میں نہیں پڑتا کہ یہ عورت جا رہی ہے اُس نے کیا پہنا ہے اور کیا کر رہی ہے۔ کسی راہ چلتی خاتون کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے برقعہ کا بھی استعمال ہے لیکن بہت کم۔ اسی طرح ہم بس میں بھی بیٹھے وہاں کی بسیں کافی اُونچی ہیں ان میں ہلکے رنگ کے بڑے بڑے شیشے لگے ہوئے ہیں بسوں میں بھی آگے کی دو تین سیٹیں مستورات کے لئے وقف ہوتی ہیں ان پر کبھی بھی کوئی مرد نہیں بیٹھتا۔ جیسے ہمارے ہاں راہ چلتی لڑکی یا عورت کے ساتھ چھیڑ خانی کرنا شغل ہے وہاں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا۔ یہ شاید صدر ضیاء الحق صاحب کے انتظامیہ کی دین ہے کوئی بھی شراب کی دوکان دکھائی نہ دی اور نہ ہی کسی کو شراب کے نشہ میں دیکھا البتہ یہ سنا گیا کہ ڈرگز کا استعمال ہے اِسکا شکار بہت سے لوگ خاص کر نوجوان ہیں یہ ایک بہت بڑی برائی ہے لیکن اس برائی کی زد میں استعمال کرنے والا ہی آتا ہے باقی اس سے متاثر نہیں ہوتے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

برائی کوئی بھی ہو کیسی بھی ہو آخر ہے تو برائی ہی ۔

اس دوران ہم راجہ بازار میں گئے۔ یہاں چیزیں سستی ملتی ہیں اِس کے ساتھ ہی باڑا بازار ہے یہاں بیرونی ممالک کی ہر ایک چیز دستیاب ہوتی ہے ۔ یہ راجہ بازار اور باڑا بازار، راولپنڈی میں ہیں۔ راجہ بازار تو کشادہ بازار ہے لیکن باڑا بازار ایک اپنی ہی قسم کی مارکیٹ ہے یہ بھول بھلیاں کی طرح ہے اس میں چھوٹی چھوٹی گلیاں ہیں جن میں دوکانیں ہی دوکانیں ہیں جنکے تہ خانوں میں نیچے بھی دوکانیں ہیں جس طرح چکرویو کے قلعہ میں داخل ہو کر نکلنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح باڑا بازار میں داخل ہو کر نکلنے کا راستہ ڈھونڈنا پڑتا ہے یہاں یہ بھی اندازہ کرنا مشکل ہے کہ واقعہ ہی کوئی چیز وہی ہے جو دوکاندار بتا رہا ہے یا اُس کی نقل ہے ۔ دام کا یہ قصہ ہے کہ اگر دوکاندار پانچ صد مانگے تو آپ ایک صد سے شروع کریں اور وہ ہر وقت بوہنی کرنے کے لئے ڈیڑھ دو سو میں فروخت کرنے کو تیار ہو گا خود ہی بسم اللہ کہہ کر پیک کرنا شروع کرے گا اجنبی آدمی کا اس خریداری میں مول تول کرنا کافی کٹھن ہے یہ تو ہمارے ساتھ واجد علی صاحب تھے جن کی بدولت ہم اس زحمت سے بچ گئے باڑا بازار سے چائے کی ایک تھرماس خرید کی جس کی قیمت ڈھائی صد بتائی گئی اور نوے روپے میں بیچی گئی ۔ کچھ کورین نیل کٹر خرید کئے وہ بھی کچھ دس روپئے میں ملے اور کچھ بارہ روپیہ میں ۔ اور ہم باڑا بازار سے صحیح سلامت واپس آگئے ۔

ساوتری نے لڑکیوں اور دھتوں کے لئے یادگار کے طور پر وہاں کا بنا ہوا ایک ایک سوٹ خریدنا تھا اس کے لئے ساوتری ملک صاحب کی لڑکی فوضیہ کے ساتھ خریداری کرنے لگیں ۔ اس دوران میں اِدھر اُدھر اکیلے ہی گھومتا رہا مجھے خیال آیا کہ ملک صاحب ہم پر اتنا خرچ کر رہے ہیں میں ان کی لڑکی کے لئے کچھ بھی نہیں لایا ایک صراف کی دوکان پر اس کے لئے چھوٹے سے بندلے دیکھنے لگا دوکاندار نے بتایا کہ وہ اصلی سونے کے ہیں اور اُس کا بھاؤ دو ہزار سات صد فی تولہ ہے جو کہ ہمارے ہندوستانی روپیہ میں دو ہزار کے لگ بھگ بنتا ہے اور ہمارے ہاں سونے کا بھاؤ ساڑھے تین ہزار کے لگ بھگ ہے ظاہر ہے کہ پاکستان میں سونا کافی سستا ہے ۔ میں نے اِن بندوں کو پسند

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کرنے کے لئے نوصنیہ سے پوچھا تو اُس نے منع کر دیا کہ وہ کچھ بھی زیور نہیں پہنتی جب ہم واپس آرہے تھے تو کسٹم ادھیکاریوں نے صرف یہ ہی دریافت کیا کہ ہمارے پاس سونے کے کوئی زیورات تو نہیں ساوتری کی کلائیوں میں دو چار چوڑیاں تو تھیں لیکن وہ ہم یہاں سے ہی لے گئے تھے ویسا ہی ہم نے اُن سے کہا۔

خریداری کے لئے اسلام آباد میں بہت سے بازار ہیں ہر ایک ادنیو میں ایک خریداری کا اپنا اپنا مرکز ہے یہاں آب پارہ بازار ہے جہاں چیزیں کچھ رعایتی داموں پر ملتی ہیں ہر ایک جمعہ کو جمعہ بازار لگتا ہے وہاں کافی سستی چیزیں ملتی ہیں۔ ساوتری نے بھی ایک دن جمعہ بازار سے کڑھائی کیا ہوا پاکستانی وضع کا سفید دوپٹہ خرید کیا جس کو وہ بڑے چاؤ سے کبھی کبھی اوڑھتی ہے۔ ڈرائی فروٹ بھی وہاں کافی سستا ہے پستہ کوئی سو روپیہ فی کلو ساوگی بھی ساٹھ ستر روپیہ فی کلو اسی طرح خشک خوبانی، بادام وغیرہ کافی سستے دستیاب ہوتے ہیں ان کی خریداری کے لئے بھی راولپنڈی کا راجہ بازار یا باڑا بازار موزوں ہے باڑا بازار میں بھاؤ کی کمی بیشی ایک معمول سا ہے اس میں دوکاندار کچھ برائی نہیں مانتے یہ وہاں کا دستور جیسا بن چکا ہے ورنہ اسلام آباد میں ایسا کچھ نہیں ہے وہاں ایک کہوسر مارکیٹ ہے جہاں بیرونی ممالک کی اشیا دستیاب ہیں وہاں بھروسہ کے مطابق ٹھیک چیز ہی ملتی ہے لیکن قیمت زیادہ ہوتی ہے لیکن وہاں اس بات کی کس کو پرواہ ہے اسلام آباد میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے عرب ممالک سے خوب پیسہ کما کر لایا ہے اور یہاں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی عالی شان سے عالی شان کوٹھیاں بنا رہے ہیں۔ کچھ صاحبان کو دیکھا کہ وہ صرف ایک دو ماہ کے لئے آکر نہایت ہی فلک بوس عمارات تعمیر کروا رہے ہیں تعمیر کا کام رات دن چلتا رہتا ہے عمارتی کام کرنے والے زیادہ تر پٹھان ہیں جو کچھ تو صوبہ سرحد سے اور زیادہ تر افغانستان سے آئے ہوئے ہیں کچھ نے ٹریکٹر رکھے ہوئے ہیں جن کے پیچھے ٹرالی لگا کر عمارتی سامان مثلاً ریت، بجری پتھر مٹی وغیرہ ڈھوتے ہیں جن کی کمائی زیادہ ہے انھوں نے ٹرک رکھے ہوئے ہیں دن رات کام چلتا رہتا ہے ملک صاحب کی کوٹھی کے متصل ہی ایک

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

صاحب جو کسی عرب ملک میں ڈاکٹر یا انجینئر ہیں کوٹھی بنوا رہے تھے وہ میاں بیوی اکیلے ہی اس کام کے لئے تشریف لائے ننھے بچے وہاں ہی تعلم کے غرض سے کسی دوست کے پاس چھوڑ آئے تھے جن کی خیریت تقریباً روزانہ ہی فون پر دریافت کرتے تھے ہم اسلام آباد میں دس پندرہ دن رہے ہونگے اور ان دنوں میں دیکھتے ہی دیکھتے انھوں نے پہلی منزل کا چھت ڈال کر دوسری منزل بھی شروع کر دی تھی رات دن اُن کا عمارت کا کام چلتا رہنا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے رہتے ہوئے باہر کا کام مکمل کروا کر چلے جائیں گے اور اندر کا کام ٹھیکدار کرواتا رہے گا اور بعد میں آکر دیکھ لیں گے۔ اُس عمارت پر کم سے کم تیس لاکھ کے خرچہ کا اندازہ ہوگا لیکن اُن کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ اس لئے شاید کہاوت ہے کہ پاکستان ایک غریب ملک ہے لیکن وہاں امیر لوگ رہتے ہیں۔ یہ سب باتیں تو وہ ہی جانیں میری بیوی ساوتری کو اسلام آباد بہت ہی پسند آیا وہاں کی کھلی فضا۔ ہریالی درخت اور بے خوف و خطر باہر گھومنا اُس کے لئے بہت ہی سکھ دائی ماحول تھا۔ اس کے علاوہ سکینہ بہن اور نسیمہ بھابھی ہر وقت گپ شپ لگانے کے لئے ساتھ رہتی تھیں۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سفر ـــ دیار وطن کی جانب

ہمارے ہر روز کے اصرار پر ملک صاحب نے اپنے بڑے لڑکے اطہر کے ساتھ ہمیں مظفر آباد بھیجنے کا انتظام کیا۔ ہم ملک صاحب کی کار پر صبح ہی اسلام آباد سے روانہ ہوئے ہمارے ساتھ اطہر صاحب کے علاوہ سکینہ بہن اور روزی بھی تھی۔ اسلام آباد سے مری تک کا سفر دو گھنٹے کا تھا فاصلہ ۴۷ کلومیٹر کا ہے شروع میں سڑک ہموار اور تارکول بچھی کشادہ رہی جس کے درمیان میں حد ڈال کر دو طرفہ ٹریفک جاری تھی۔ کچھ کلومیٹر طے کرنے کے بعد چڑھائی شروع ہو گئی جہاں لگاتار تیکھے موڑ تھے سڑک کی حالت بھی کچھ پتلی ہوتی گئی جگہ جگہ اوبڑ کھابڑ ہوتی جا رہی تھی۔ راستہ میں سب سے پہلے ترہٹ گاؤں آتا ہے دوسرا پڑاؤ چھرا پانی کا ہے یہاں پہاڑی سے ٹھنڈے پانی کا بہت بڑا سوتا پھوٹ رہا ہے۔ یہاں مسافر گاڑیوں کو ٹھنڈا کرتے ہیں اور دھوتے ہیں ساتھ میں چائے پانی نوش فرماتے ہیں۔ آگے چل کر گھوڑا گلی آتی ہے انگریزی دور حکومت میں انگریز راولپنڈی سے بگھی میں چل کر یہاں گھوڑے تبدیل کرتے تھے اس لئے اس کا نام گھوڑا گلی ہے۔ اس کے بعد بنسارا گلی پار کرتے ہیں یہاں پر انگریزوں کے زمانے کا مشہور لارنس کالج ہے چھٹا موڑ سے گذر کر سانی بنک آتا ہے جو کوہ مری سے چند ہی کلومیٹر ہے۔ یہاں سڑک پھر قدرے اچھی حالت میں ہے۔ ہم جب مری پہنچے تو کچھ بوندا باندی ہو رہی تھی۔ یہ مری جانے کا موسم بھی نہیں تھا۔ یہاں آنے کا بہترین موسم مئی سے ستمبر تک کا ہے مری کے پنڈی پوینٹ سے راولپنڈی اور اسلام آباد دکھائی دیتے ہیں۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

مری اور گلیاں نہایت ہی خوش منظر اور دلفریب نیچلے ہمالیہ کا سلسلہ کوہ ہے۔ یہاں مناظر فطرت کی عشوہ طرازیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ان کے گردو پیش میں پھیلے ہوئے چیل اور دیودار کے درخت ماحول کو معطر بنا رہے ہیں۔ ماحولیاتی اعتبار سے یہ فطرتی ماحول کی بھر پور نمائندگی کرتی ہیں مری جدید شہر ہے جہاں ہر قسم کی سہولیات میسر ہیں بڑا ڈاک خانہ تار گھر ٹی وی سٹیشن وغیرہ اس کے علاوہ یہاں پاکستان کی مرکزی حکومت اور بیرونی ممالک کے مشنوں کے دفاتر ہیں، گلیوں میں نتھا گلی جو کہ مری سے ۳۲ کلومیٹر ہے قابل ذکر ہے صدر ایوّب خاں نے اپنے دور حکومت کے دوران چار چھوٹے سیاحتی مقاموں کو ملا کر ایوبیا نام کا سیاحتی مرکز وجود میں لایا۔ یہاں باقی سہولیات کے ساتھ روپ وے چیر لفٹ نمایاں اضافہ ہے باقی یہاں کوئی واضح فرق نہ تھا سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا آج سے چالیس سال قبل تھا۔ بارش کی وجہ سے ہم مری میں نہیں رکے۔ مری سے دس کلو میٹر کے فاصلہ پر بہر بان قابل ذکر ہے یہاں ایک گاف کھیل کا میدان ہے مری سے ایک سڑک کوہالہ کے راستہ جموں وکشمیر سے ملاتی ہے اور دوسری سڑک گلیوں کے راستہ سے ایبٹ آباد جاتی ہے۔

کوہالہ پہنچتے پہنچتے موسم کچھ صاف ہو گیا۔ کوہالہ کے مقام پر دریائے جہلم پر وہی پرانا پل موجود تھا جو آج سے چالیس سال پہلے تھا جس پل پر پنڈت نہرو کو جمعدار بیربل نے روکا تھا۔ بیربل جو جموں بعد میں ہمارے ساتھ کام کرتے تھے فخر سے یہ قصہ سنایا کرتے تھے کہ کس طرح وہ پنڈت نہرو جی سے نہایت ہی ادب مگر پوری سختی سے پیش آئے تھے اور انہیں سری نگر جانے سے روک لیا تھا ہم کوہالہ میں بالکل نہیں رکے آگے سڑک کی حالت بھی ویسی ہی تھی جیسی کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے وقت تھی بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ چیتھر کلاس میں پہلے سے کچھ زیادہ آبادی ہو گئی تھی وہاں کے لوگوں میں بھی خوشحالی دکھائی دے رہی تھی چیتھر کلاس سے ایک مزید سڑک نکالی گئی تھی جو قومی کوٹ وغیرہ سے ہوتی ہوئی گڑھی دوپٹہ سے جا ملتی تھی۔ امبور میں جہاں کبھی مہاجر کیمپ تھا اور جسمیں دو سال سے زیادہ عرصہ ہم نیم اسیری کی حالت میں رہے تھے وہاں بھی کافی ترقی کے آثار نظر آتے تھے اس کو

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

مظفر آباد کا انڈسٹریل ایریا بنایا گیا تھا یہاں پر ایک ماچس فیکٹری نہایت ہی قابل ذکر اضافہ ہے امبور قومی شاہراہ سے چڑھائی چڑھکر کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے پہلے یہاں پیدل چلنے کا راستہ تھا لیکن اب پکی موٹرایبل سڑک بنی ہوئی تھی یہاں سے آگے تو چھتر کی کایا کلپ ہوگئی ہوئی تھی۔ یہاں پر نیا سیکرٹریٹ۔ اسمبلی ہال ایم ایل اے ہوسٹل اور بہت سی دیگر عمارتیں تعمیر کی گئیں ہیں تھوڑے سے فاصلہ پر جدید فن تعمیر کا نمونہ ہائی کورٹ کی عمارت ہے اس کے ساتھ ہی ناظم سیاحت کے دفاتر ہیں۔ اپر چھتر میں ایک بہت بڑی ہاوسنگ کالونی ہے جسمیں شہر کے تمام شرفا اور اعلیٰ سرکاری ملازموں کے جدید طرز کی کوٹھیاں ہیں چھتر سے آگے ساری نئی آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ دریائے جہلم کے اس پار جہاں صرف ایک ڈاک بنگلہ ہوا کرتا تھا وہاں ہر خالی جگہ پر عمارات تعمیر ہو چکی ہیں جن میں کچھ عمارات میں سرکاری دفتر اور کچھ رہائشی اقامت گاہیں ہیں۔ یہاں ہی محکمہ افزائش نسل حیوانات کے دفاتر بھی ہیں۔ دومیل کے مقام پر دریائے جہلم پر پرانے لوہے کے پل کے ساتھ ہی ایک نیا آر۔ سی۔ سی پختہ و کافی کشادہ پل جس پر ایک وقت میں دو سے زیادہ گاڑیاں گزر سکتی ہیں تعمیر کیا گیا ہے جہاں کہ پرانے لوہے کے پل پر سے ایک وقت میں صرف ایک ہی گاڑی گزر سکتی ہے پل کو پار کرتے ہی ایک بہت بڑا ہوٹل بنا ہے جسکا نام العباس ہوٹل ہے اس طرف دریائے جہلم کے کنارے کنارے اوپر تک کافی آبادی ہوگئی ہے اوپر کی طرف ہم جا نہیں پائے لیکن کہتے ہیں اسی طرف مظفر آباد کا ہوائی اڈہ ہے جہاں دن میں اسلام آباد سے دو اُڑانیں آتی ہیں اور پھر واپس جاتی ہیں۔ اس سے آگے بھی عمارات بن گئی ہیں۔ یہاں زیارت سہیلی سرکار سے پہلے گورنمنٹ گیسٹ ہاوس کی شاندار عمارت ہے سیلی سرکار کی زیارت کافی پر رونق ہوگئی ہے۔ وہاں پہلے زیارت کی نیم کچی عمارت کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا اب تو باقاعدہ بارونق بازار بنا ہوا ہے۔ یہاں سے ہی پختہ سڑک ہوائی اڈہ کو جاتی ہے۔

زیارت سیلی سرکار کی پچھلی طرف بہت سی سرکاری عمارتیں ہیں جہاں بڑے بڑے سرکاری ملازم رہائش پزیر ہیں یہاں ہی پرانے سیکرٹریٹ کے احاطہ (جو مہاراجہ ہری سنگھ کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

دورِ حکومت میں وزیر وزارت محکمہ مال وسبول عدالتوں کی جگہ تھی) میں بہت سے دفاتر بر.
سرکار و سپریم کورٹ ہیں اِس کے ساتھ ہی واپڈا کا ریسٹ ہاوس ہے اس کے سامنے قومی
شاہراہ پر محکمہ پی ڈبلیو ڈی کا ریسٹ ہاوس ہے۔ اس کے بالکل سامنے دریائے نیلم (کشن
گنگا) پر ایک نیا پل تعمیر ہوا ہے جس کے بالکل متصل پرانے علاقہ گوجرہ میں نیلم سٹیڈیم تعمیر
کیا گیا ہے جو پختہ سڑک کے ذریعہ پرانے قلعہ گوجرہ سے مربوط ہے قلعہ گوجرہ کی پرانی
دیواریں بدستور سابق ہیں لیکن قلعہ کے اندر باہر اور اطراف میں نئے رہائشی مکان بنے
ہوئے ہیں یہ ایک بہت بڑی رہائشی کالونی ہے جسکا نام شوکت کالونی رکھا گیا ہے قلعہ
گوجرہ سے تھوڑی دور بطرف گوردوارہ چھٹی بادشاہی ایک گورنمنٹ ہائی سکول کی عمارت
ہے چھٹی بادشاہی میں اب پولس لائینز کی عمارتیں بنائی گئی ہیں۔

جلال آباد سے آگے چونکہ نہایت ہی STEEP ڈھلوان ہے اس لئے وہاں سڑک پر کوئی
عمارت بنانے کی گنجائش نہیں ہے۔ آگے چل کر سڑک کے دونوں کناروں بڑے بڑے ہوٹل
اور ریستوران ہیں اس کے آگے سابقہ جگہ پہ ہی محکمہ جنگلات کے دفاتر اور جیل وغیرہ
کی عمارات ہیں لیکن دریائے نیلم والی طرف کچھ دوکانیں ہوٹل اور بہت سے ریستوران بنے
ہیں۔ دریائے نیلم (کشن گنگا) پہ وہ ہی پرانا لوہے کا پل ہے جو آج سے نصف صدی
سے بھی زیادہ عرصہ پہلے مہاراجہ ہری سنگھ نے بنوایا تھا۔ پل کے پار جنرل بس سٹینڈ
ہے کچھ پھل سبزی اور دوسری خورد و نوش کی دوکانیں ہیں۔ آگے بیلہ نور شاہ کے
درمیان پکی سڑک بنی ہوئی ہے بیلہ نور شاہ جو کہ پہلے بالکل ویران اور بیابان ہوتا
تھا یہاں بھی بہت عالی شان رہائشی کوٹھیاں بنی ہوئی ہیں یہ تعمیرات کا سلسلہ آگے
پنج گراں تک چلا جاتا ہے یہ سڑک پرانے قلعہ کی طرف سے آنے والی سڑک سے مل جاتی
ہے جو آگے چیلہ سے ہوتی ہوئی بہت دور تک جاتی ہے۔

دریائے نیلم کے شہر والی طرف ایک پکی سڑک پرانے شہر کی طرف جاتی ہے جہاں
تھوڑا ہی آگے چل کر ریڈیو سٹیشن کی نئی عمارت بنی ہوئی ہے۔ اس سے آگے چل کر بھی
جہاں پہلے مکی کے کھیت ہوا کرتے تھے پکی بستیاں ہی بستیاں ابھر آئی ہیں اور ساتھ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہی ایک بہت بڑا سول اینڈ ملٹری ہسپتال تعمیر ہوا ہے اس ہسپتال میں ہر طرح کا جدید سامان اور طریقہ علاج میسر ہے ہسپتال کے ساتھ ہی جہاں پہلے لڑکوں کا ہائی سکول ہوا کرتا تھا جس کو میں نے ۱۹۴۸ میں ازسرِ نو شروع کیا تھا اور اس کی عمارت بھی خود ہی بنوائی تھی جہاں میں پہلا ہیڈ ماسٹر تعینات ہوا تھا اُسی عمارت میں اب لڑکیوں کا ہائی سکول ہے اور اُسی سکول کے احاطہ میں لڑکیوں کا کالج بھی ہے سکول کے اِرد گِرد جو خالی جگہ کھیل کے میدان کے طور پر یا بوٹانی کل باغ کے طور پر استعمال ہوتی تھی وہاں اس بڑے کالج کمپلیکس کی عمارات تعمیر کی گئی ہیں۔ سول و ملٹری ہسپتال سے آگے ساری خالی جگہ میں جہاں سرکاری باغ اور لوگوں کی زمین ہوا کرتی تھی گنجان آبادی ہوگئی ہے یہ علاقہ بالکل ویران ہوا کرتا تھا اس کے درمیان سے دو تین پختہ سڑکیں گزرتی ہیں جو پرانے قلعہ کے پاس جا کر ختم ہو جاتی ہے یہاں ایک ریسٹ ہوس بنا ہوا ہے جو پرانے قلعہ کے نزدیک ہی واقع ہے اس پرانے قلعہ میں دورانِ تعلیم ہم اکیلے جانے سے ڈرتے تھے کہ یہاں بھوت اور شیطان رہتے ہیں کبھی ضروری جانا ہوتا تو بہت سے لڑکے اکٹھے ہو کر جاتے تھے اب اس قلعہ میں میوزیم ہے۔ قلعے سے بالکل تھوڑی دوری کے فاصلہ پر دریائے نیلم (کشن گنگا) پر نہایت ہی کشادہ پکا آر سی سی پل تعمیر کیا ہوا ہے یہ سڑک آگے چل کر دریا کے دوسرے کنارے بس اسٹینڈ سے آنے والی سڑک سے مل جاتی ہے اس سڑک پر آگے مظفر آباد سے سترہ کلومیٹر کے فاصلہ پر پٹاکہ آتا ہے جہاں چار صد ایکٹر رقبہ میں پھیلا ہوا جنگلی جانوروں کا پارک ہے۔ آگے مظفر آباد سے ۴۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر کنڈل شاہی کا دلکش سیاحتی مرکز ہے اس علاقہ کو جاگرن وادی کہتے ہیں کنڈل شاہی سے دس کلومیٹر کے فاصلہ پر اور مظفر آباد سے چوراسی کلومیٹر کے فاصلہ پر اٹھمقام کا قصبہ ہے یہ اس علاقہ کا سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے۔ مظفر آباد سے اٹھمقام تک باقاعدہ بس سروس ہے اس سے آگے نو کلومیٹر کے فاصلہ پر نیلم تک جیپ کی سڑک ہے نیلم کے بالکل سامنے دریائے نیلم (کشن گنگا) کی دوسری طرف کیرن کا علاقہ ہے جو ہندوستان کے قبضہ میں ہے نیلم سے آگے تقریباً ۴۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر شاردا کا تیرتھ استھان ہے یہ ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اور یہاں بدھ مت کے بھی پرانے زمانے کے آثار پائے جاتے ہیں اب تو شاردا کی اہمیت ایک سیاحتی مقام کی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ہے۔ یہاں شاردی اور ناردی آمنے سامنے دو پہاڑی چوٹیاں ہیں یہ شاردا اور نارد ادیوی کے ناموں سے منسوب ہیں۔ یہاں پر دریائے نیلم سے سرگن نالہ آکر ملتا ہے سرگن نالہ کے ساتھ ساتھ ایک راستہ نوری نار درہ پار کر کے کاغان وادی کو جاتا ہے شاردا قصبہ کی آبادی چھ ہزار کے لگ بھگ ہے۔

مظفر آباد آتے آتے جو تبدیلیاں راہ میں چالیس سالوں کے دوران میرے یہاں سے جانے کے بعد رونما ہوئی تھیں ہم نے سفر کے دوران اور چیلہ نک کے اس چکر میں دیکھی تھیں دو بجے کے لگ بھگ ملک منزل اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ یہاں روزی کی ایک بڑی بہن اور دو چھوٹی بہنیں بھی موجود تھیں اُس کی بڑی بہن کالج میں پڑھتی تھی اُس نے آتے ہی ساوتری کے ساتھ جان پہچان کر لی اور یہ دونوں آپس میں سر جوڑ کر باتیں کرنے لگیں۔ مظفر کی والدہ جنہیں سب بڑے چھوٹے بے جی کہہ کر پکارتے ہیں نہایت ہی خوش ہوئیں انھوں نے مجھے اپنی ماں جیسے پیار اور خلوص سے نوازا اور ساوتری کے ساتھ حقیقی ساس جیسا برتاؤ کیا۔ ہم نے جموں اور دہلی میں جب احباب سے مظفر آباد جانے کا ذکر کیا تو ساوتری کو سب مذاق کے طور پر کہہ رہے تھے کہ یہ پہلی بار اپنے سسرال جا رہی ہے اور واقعی اُسے یہاں آکر بے جی جنکا نام جنت خاتون ہے لیکن ہم سب ہی بچپن سے بے جی کے نام سے ہی جانتے ہیں اور مظفر کے والد ملک الف دین صاحب نے ساوتری کو سسرال جیسا پیار دیا۔ اس کو بھی محسوس ہونے لگا کہ فی الواقع اُس کا بھی ایک سسرال ہے ہم نے ہاتھ منہ دھو کر پہلے چائے پی پھر نان دہی کچھ سبزی جو کچھ جلدی میں میسّر آیا نوش کیا۔ سکینہ بہن تو آٹو رکشا کر کے اپنے گھر چلی گئیں ہم بے جی سے گپ شپ کرتے رہے بے جی نے ساوتری کو بتایا کہ ہمارا یہاں کپڑے کا اچھا خاصہ کاروبار تھا ہمارے بہت سے باغات تھے جن کو شاہ دریوں کے باغات کہتے تھے اور ہمیں سبھی شہر والے شاہ دریئے کے نام سے پکارتے تھے۔ بے جی کے ساتھ گپ شپ کرنے کے بعد میں ساوتری روزی اور اس کی بڑی بہن اپنا آبائی مکان دیکھنے کے لئے نکل پڑے۔ مجھے تو یہ گلیاں پہچانی ہی نہ گئیں وہاں کا نقشہ ہی مکمل طور پر بدلا ہوا تھا۔ جہاں جہاں باغ یا کھیت تھے وہاں مکان ہی مکان بن چکے تھے دھوبیوں اور ملیاروں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کے کچّے مکانوں کی جگہ پکی عمارات بنی ہوئی تھیں ہر گلی ایک پُر رونق بازار کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ ہمارے مکانوں کے ارد گرد کوئی سو ایکڑ زمین میں باغ اور ساگ زار تھے وہاں اب ایک انچ بھی خالی جگہ نہیں دکھائی دیتی تھی پورے طرح مکان ہی مکان ابھرے تھے لیکن یہ بات بہت کھٹکی کہ یہ مکان بغیر کسی منصوبہ بندی کے بنائے گئے تھے بالکل من مانے طریقہ سے عمارات تعمیرات کی گئی تھیں جس کو جہاں جگہ نظر آئی اس نے وہاں ہی دوکان نما مکان تعمیر کر لیا تھا یہ سبھی لوگ مضافات سے آکر یہاں آباد ہوئے تھے ان کی قدیم آبادلوگوں سے ان بن ہی رہتی ہے شاید قدیم باشندے ہندوؤں کی چھوڑی جگہوں پر اپنا حق سمجھتے ہونگے اور باہر سے آئے لوگوں نے سب جگہوں پر قبضہ کر لیا ہے ان کی عادات اور رسم و رواج بھی کچھ آپس میں زیادہ میل نہیں کھاتے۔

بہر حال روزی کی مدد سے ہم اپنے گھر تک پہنچ ہی گئے۔ وہاں کا ماحول ہی کچھ اس قدر بدلا ہوا تھا کہ پہلے ہم اپنے مکان کو پہچان ہی نہیں سکے وہاں گلی کو اونچا کیا ہوا تھا اور مکان کا آنگن گلی سے پستی پر ہو گیا تھا باہر پتھر کی بنی ہوئی کرسیاں اُسی طرح تھیں ان کی مدد سے یقین ہو گیا کہ یہ ہمارا پشتی مکان ہے۔ جس کو آج سے لگ بھگ چالیس سال پہلے چھوڑ کر گئے تھے ہمارے مکان کا نصف حصّہ ایک چھت والا تھا اُس کو مسمار کر کے کسی نے نیا تین منزلہ مکان بنایا ہوا تھا۔ باقی کا نصف کے لگ بھگ حصّہ پہلے سے ہی تین منزلہ تھا یہ حصّہ چونے سرخی سے بنی پتھر کی موٹی دو ڈھائی فٹ چوڑی دیوار پر بنا ہوا تھا اس حصّہ میں بھی کچھ اندر سے ردو بدل کر کے بہت سے لوگ رہ رہے تھے۔ اس وقت تو ہم بالکل اسی دن چالیس سال سے زاید عرصہ کے بعد آئے تھے اور ہمارے ساتھ دو چھوٹی لڑکیاں تھیں اس لئے ہم نے اندر جانے کی جرأت نہیں کی۔ مکان سے آگے نکل کر ہم شہر کی طرف گھومنے چلے شہر کا حلیہ ہی بدلہ ہوا تھا ہر ایک گلی میں چہل پہل والے بازار تھے جن میں زیادہ تر کپڑے کی دوکانیں تھیں راستہ میں جو کوئی مکان قدرے قدیم حالت میں دکھائی دیتا تھا اس کے متعلق میں ساوتری کو بتاتا جاتا تھا کہ یہ فلاں کا مکان ہے اسی طرح ہم پرانے بازار میں پہنچ گئے یہاں میں نے ساوتری کو اپنی دوکانیں بھی دکھائیں جو تقریباً ٹھیک اسی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

حالت میں تھیں جس حالت میں ہم چھوڑ کر گئے تھے ہماری کچھ دو کانیں خواجہ بازار میں بھی تھیں اُنھیں تو میں خود بھی پہچان نہ سکا۔ ہم پھر واپس نیچے والے بازار کی طرف آگئے۔ یہ جگہیں کچھ کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھیں۔ یہاں مجھے ماسٹر عبدالعزیز صاحب ملے وہ میرے ساتھ ہی پڑھتے تھے اور میرے ساتھ ہی سکول میں بطور ماسٹر کام کرتے تھے۔ وہ اب ریٹائر ہو چکے تھے ہمیں مل کر نہایت ہی خوش ہوئے اور ہم سے پھر ملنے کا وعدہ کیا۔ سارا بازار گھوم کر ہم نیچے سڑک پر آگئے یہاں سڑک پر بھی اب دونوں طرف دو کانیں بنی ہوئی تھیں۔ یہاں سے ہم پھر دوسری جانب سیر ٹھیوں کے راستہ اوپر شہر کی جانب چلنے لگے اس طرف بھی بہت سے مکان نئے بنے ہوئے تھے کچھ پرانی حالت میں ہی تھے ان میں لالہ رام لال شاہ کا مکان جو مظفر آباد میں سب سے امیر گنے جاتے تھے قابل ذکر ہے۔ یہ سارا چکر لگا کر شام سے پہلے پہلے واپس قیام گاہ پر آگئے۔ اب تک ہماری جان پہچان والوں کو ہماری یہاں آمد کا علم ہو گیا تھا اس طرح سے اسی شام سب سے پہلے مجھے ملنے آنے والوں میں میرا نہایت ہی عزیز شاگرد شیخ قیوم تھا۔ سکول میں وہ میرا سب سے ہر دل عزیز شاگرد تھا شیخ قیوم بہت ہی ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ کھیل کود میں بھی سب سے پیش پیش تھا میں نے دوران ملازمت ایک بار کچھ چیدہ چیدہ شاگردوں کو ایک تعلیمی کانفرنس میں شمولیت کے لئے اپنے ساتھ میرپور لے گیا تھا تب شیخ قیوم بھی میرے ہمراہ تھا یہ سب شاگردوں میں باشعور اور ہوشیار تھا اس لئے اس سفر کے دوران وہ انتظامیہ امور میں میری مدد کرتا رہا۔ اس لئے میرے زیادہ ہی قریب تھا بلکہ باقی شاگردوں کی رسائی بھی شیخ قیوم کی وساطت سے ہوتی تھی۔ یہ مجھے دیکھتے ہی بغل گیر ہو گئے اور کہنے لگے کہ مجھ میں بالکل کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے صرف بال سفید ہو گئے ہیں ہم کچھ دیر بیٹھے رہے اور بات چیت کرتے رہے میں نے ان سے اپنے باقی شاگردوں کے بارے میں پوچھا انھوں نے بتایا کہ کچھ تو یہاں ہی مظفر آباد میں ہیں اور کچھ نوکری کے سلسلہ میں باہر گئے ہوئے ہیں بہر حال اُن کا کہنا تھا وہ جس جس کو ہو سکے گا میری آمد کی اطلاع دیں گے۔ ان سے مجھے پتا چلا کہ میرا بہت ہی عزیز اور نیک سیرت شاگرد نثر خاں فوت ہو چکا ہے ان کے والد راجہ محمد ایوب خاں مجھے بڑے بھائی کی طرح پیار کرتے تھے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

میں نے ان کے گھر موضع پر سیجا میں کافی دن گزارے تھے کچھ عرصہ پہلے مجھے معلوم ہوا تھا کہ راجہ ایوب خاں صاحب ٹی بی کی بیماری کی وجہ سے وفات پا گئے تھے اب ان کا فرزند جو اس وقت بالکل چھوٹا کوئی پندرہ سولہ سال کا رہا ہو گا چھوٹی عمر میں ہی اپنے والد کی طرح ہی ٹی بی کی ہی وجہ سے فوت ہو گیا۔ یہ سن کر مجھے بہت دکھ ہوا۔

شیخ قیوم مجھ سے رخصت ہوئے ہی تھے کہ جناب راجہ حمید خاں صاحب تشریف لائے میں ان کے لئے ان کے ایک دوست کا خط لایا تھا میں نے ان سے فون پر عرض کیا تھا کہ دوسر دن میں ان کے پاس خط خود ہی پہنچا دوں گا لیکن ان سے رہا نہ گیا وہ خود ہی تشریف لے آئے خاں صاحب اب کافی ضعیف دکھائی دے رہے تھے ان کی آنکھوں کی بینائی بھی کم ہو چکی تھی۔ آپ یہاں کی مسلم کانفرنس کے صدر بھی رہ چکے ہیں اور پرائم منسٹر بھی آپ اپنی جوانی میں نہایت خوش شکل اور دلیر جوان کھلاڑی تھے لیکن اب کچھ کمزور ہو چکے تھے۔ ان کی اکلوتی لڑکی ایم۔ ایل۔ اے ہے اور ان کا داماد لندن میں ڈاکٹر ہے۔ راجہ حمید خاں صاحب کے جانے سے پہلے ہی قیوم لالہ تشریف لے آئے آپ میرے بچپن کے ساتھی اور ملک صاحب کے بہنوئی ہیں ان سے مل کر تو بچپن کی بہت سی یادیں تازہ ہو گئیں ہم رات بہت دیر تک بیٹھے گپ شپ کرتے رہے لالہ صاحب نے کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھایا اور ہنسی مزاق کی محفل رات گیارہ بجے تک چلتی رہی میں نے لالہ صاحب سے صبح جلدی آنے کا وعدہ لے کر انھیں رخصت کیا۔

رات کو میرے دانت میں درد ہوتی رہی اس لئے ٹھیک سے سو بھی نہیں سکا۔ دوسرے دن جب صبح قیوم لالہ تشریف لائے تو میں نے ان سے ذکر کیا کہ رات سے میرے دانت میں شدید درد ہو رہی ہے۔ وہ مجھے سی ایم ایچ (CMH) لے گئے وہاں ڈنٹیل سرجن صاحب نے دانت کا معاینہ کر کے بتایا کہ اس وقت عارضی طور پر اسکو کچھ ٹھیک کیا جا سکتا ہے لیکن یہ دانت نیچے جڑ تک خراب ہے کچھ حصہ ٹوٹ بھی چکا ہے اس لئے اس کا نکلوانا ہی ٹھیک ہے قیوم لالہ نے بھی مذاق کرتے ہوئے کہا کہ دیار وطن میں آئے ہو کچھ نہ کچھ دے کر ہی جاؤ ایک دانت ہی سہی۔ اس دوران ڈینٹل

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سرجن صاحب کو ہسپتال کے انچارج ڈاکٹر صاحب کا فون آیا انھوں نے میرے متعلق دریافت کیا اور کہا کہ وہ مجھے جلدی سے فارغ کریں کیونکہ کچھ لوگ میرا انتظار کر رہے ہیں ڈاکٹر صاحب ابھی میرا دانت نکالنے کی تیاری ہی کر رہے تھے کہ دوبارہ میرے لئے ٹیلی فون آیا دوسری طرف میرے ایک شاگرد محمد عثمان لائین پر تھے ان کا کہنا تھا کہ وہ سب بے صبری سے اپنے دفتر میں میرا انتظار کر رہے ہیں اور انھوں نے میرے لئے گاڑی بھی بھیج دی ہے۔

دانت نکالے جانے کے بعد میں تھوڑی دیر کے لئے لالہ کے ساتھ بڑے ڈاکٹر صاحب سے ملنے گیا وہاں مجھے جناب عبدالحئی صاحب بھی ملے جو بچپن میں میرے ساتھ ہی طالب علم تھے لیکن مجھ سے ایک دو کلاس آگے تھے انھوں نے ڈاکٹر موہن لال اور اپنے دیگر دوستوں کے متعلق اشتیاق سے مجھ سے دریافت کیا۔ وہاں ہی قیوم لالہ کے چھوٹے بھائی جناب حفیظ صاحب موجود تھے حفیظ صاحب ڈی سی کوٹلی ہیں اور اس وقت دورہ پر مظفر آباد آئے ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد قیوم لالہ حفیظ صاحب تینوں جنگلات کے دفتر میں پہنچے وہاں محمد عثمان صاحب جو میرے ذہین شاگردوں میں سے ایک اور محکمہ جنگلات کے چیف کنزرویٹر ہیں کچھ دیگر شاگردوں کے ساتھ ہمارا انتظار کر رہے تھے شاید صبح ہی ان کو شیخ قیوم نے بتایا تھا اس لئے وہ اسی وقت سے ملنے کے لئے بے تاب تھے کافی دیر ہم بیٹھے بات چیت کرتے رہے اور قہوہ کے دور چلتے رہے میں نے دانت نکلوایا تھا اس لئے جلدی قیوم لالہ کے ساتھ واپس قیام گاہ پر آگیا اور کچھ کھچڑی وغیرہ کھا کر سو گیا کیونکہ رات کو بھی نہیں سو سکا تھا۔ اس دوران ساوتری سکینہ بہن کے ساتھ جلال آباد اور کچھ دیگر جگہیں دیکھتی رہی اس نے دوپہر کا کھانا بھی سکینہ بہن کی لڑکی کے ہاں ہی کھایا اور بہت سے لوگوں سے ملی وہ ان سب کے خلوص سے نہایت ہی متاثر ہوئی

چار پانچ بجے جب وہ واپس آئیں تو میں جاگ چکا تھا چائے پیتے پیتے قیوم لالہ جی اور ان کے سب سے چھوٹے بھائی شفیق صاحب بھی آگئے۔ ہم سب پھر گھومنے نکل گئے راستہ میں اپنے مکان کے اندر بھی گئے۔ نیچے کے حصّہ میں دو تین کنبے رہ رہے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

تھے جن میں ایک بالکل ضعیف بڑھیا اور اس کا ایک چھوٹا لڑکا پتھر سے بنے ہوئے چولھے پر گیلی لکڑیوں سے کھانا بنا رہے تھے وہ اس طرح لگ رہے تھے جیسے کوئی آسیب زدہ ہوں یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوا اُوپر والی چھت پر پہلے ایک حولدار صاحب رہتے تھے اب ان کے فرزند مقیم تھے حوالدار صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے تھے ان کے ساتھ اُن کے ہی رشتدار ایک دو کنبے اور بھی رہ رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ چھت کی لکڑی کے بیم اسقدر بوسیدہ ہو گئے ہیں کہ اُن کے ساتھ پنکھے نہیں ٹانگے جا سکتے۔ میں نے سوچا کہ یہ مکان میری پیدائش سے بھی تیس سال پہلے کا بنا ہوا ہے میری عمر تر سٹھ سال ہونے کو آئی ہے اب اس بیم کی عمر سو سال کے لگ بھگ ہو گی یہ اب کتنا ساتھ دے۔ تیسری منزل تک جانے کی سیڑھیاں کسی حد تک بوسیدہ ہو چکی تھیں بہر حال ہم تیسری منزل تک پہنچ ہی گئے یہ اتنی اونچی ہے جہاں سے سارا شہر دکھائی دیتا ہے۔ ہم نے یہاں سے شہر کا نظارہ کیا کچھ فوٹو بھی لئے اور ساوتری نے اپنے سسرال کا جدّی مکان بھی اچھی طرح سے دیکھ لیا۔ حوالدار صاحب کے فرزند نے بتایا کہ وہ اس مکان کا بجلی کا کرایہ ابھی تک ہمارے نام سے ہی جمع کرواتے ہیں اس مکان میں فقط رہنے کا ہی حق رکھتے ہیں لہذا وہ اس کی کچھ مرمت نہیں کروا رہے ہیں جس کی وجہ سے مکان کی حالت دن بدن خستہ حال ہو رہی تھی وہاں کی حکومت بھی ان مکانوں کی ضروری مرمت اور دیکھ بھال کے لئے کوئی دلچسپی نہیں لے رہی ہے۔

میں نے بازار کی طرف جاتے ہوئے لالہ گیان چند آملہ کے متعلق دریافت کیا جو یہاں ہی رہ گئے تھے اور انھوں نے شادی بھی یہاں ایک سکھ خاتون سے کر لی تھی۔ ہم یہ باتیں کرتے کرتے جا رہے تھے تو ایک صاحب بازار سے ہمارے ہمراہ ہو گئے۔ جب ہم لالہ گیان چند آملہ کے مکان کے پاس رک کر کچھ دریافت کر رہے تھے تو وہ صاحب جنکا نام محمد منیبن ہے میرے متعلق دریافت کرنے لگے تو قیوم لالہ نے میرا نام بتایا اس پر وہ بولے کہ میں نے ان کو بازار میں ہی پہچان لیا تھا لیکن یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ یہاں کسطرح آئے ہیں یہ میرے استاد محترم ہیں میں نے ان کے پاس تعلیم حاصل کی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہے۔ متین صاحب نے پھر بتایا لالہ گیان چند آملہ جن کا نام اب شیخ محمد عبداللہ تھا کس طرح بے بسی کی حالت میں فوت ہو گئے ہیں اور اب تو ان کی بیوی بھی فوت ہو چکی ہے البتہ ان کا ایک لڑکا وجاحت ہے جو پہلے بازار میں ایک سکلی گر کے پاس کام کرتا تھا اب وہ بھی کہیں چلا گیا ہے۔ لالہ گیان چند آملہ کے مکان میں پہلے پولیس تھانہ تھا جس کو کہ انھوں نے خالی کروا کر جناب زبردست خاں صاحب کو کرایہ پر دیا تھا۔ اور ایک کمرہ اپنی رہائش کے لئے رکھا تھا لیکن ہوا یہ کہ خان صاحب سے کرایہ ملنا تو درکنار اُس کو اُس ایک کمرہ سے بھی بے دخل ہونا پڑا۔ اپنی زندگی کے آخری ایّام میں وہ دربدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے ان کی بیوی کی حالت تو ان کی وفات کے بعد کچھ زیادہ ہی ابتر ہو گئی۔ بہر حال اب وہ دونوں میاں بیوی اللہ کو پیارے ہو چکے تھے لیکن ان کا فرزند بھی ابتری کا شکار ہے متین صاحب کی مدد سے ہم نے لالہ گیان چند آملہ کی قبر ڈھونڈلی۔ اس قبر پر ایک سنگ مرمر کی تختی لگی ہوئی تھی جس پر لکھا تھا:۔

"شیخ محمد عبداللہ المعروف گیان چند عمر ۷۰ سال
تاریخ وفات ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۸ بروز منگلوار"

ہم نے اس قبر کا فوٹو بھی لیا اور وہاں سے امام باڑہ دیکھنے گئے جہاں میں نے چالیس سال قبل کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ یہاں ایک مجاور ہوا کرتا تھا جو ہر طرح سے میرا خیال رکھتا تھا۔ میں کھانا بھی خود ہی بناتا تھا اور وہ میری اس کام میں مدد کرتا تھا۔ کسی کو بھی میرے کھانے کے نزدیک نہیں آنے دیتا تھا کہ ماسٹر جی کا کھانا اپوتر نہ ہو جائے۔ یہاں کا بھی نقشہ کافی حد تک بدلا ہوا تھا یہاں مجاور تو کوئی نہیں تھا امام باڑہ کی عمارت پکی بنی ہوئی تھی اور اس میں امام آیت اللہ خمینی صاحب کی فوٹو رکھی ہوئی تھی۔ وہاں بہت بڑا قبرستان تھا جو آبادی بڑھنے کی وجہ سے سکڑ کر کافی چھوٹا ہو گیا تھا۔ پھر ہم اس سکلی گر کے پاس گئے جس کے پاس گیان چند جی کا لڑکا وجاہت کام کرتا تھا اس نے بتایا کہ وہ پہلے کام کرتا تھا لیکن کافی عرصہ سے اپنے ماموں کے پاس قومی کوٹ چلا گیا ہوا ہے۔ متین صاحب نے ہمیں بتایا کہ اُس کا ماموں محمد ارشاد پولیس میں سپاہی ہے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

اور ان کی دوکان پر کبھی کبھی آتا ہے وہ اُس کے ذریعہ وجاہت کو سند یشں بھیج دیں گے کہ وہ مجھے ملے۔ ہم جناب محمد افسر صاحب کو بھی ملنے گئے لیکن وہ طبّی معاینہ کے لئے راولپنڈی گئے ہوئے تھے بہرحال اُس رات اُن کو واپس آنا تھا۔ ہم قیام گاہ پر آئے تو بے جی ہمارا انتظار کر رہی تھیں ہم سب نے گپ شپ کی کھانا کھایا اور سو گئے۔

جب دن کو ہم عثمان صاحب کے ہاں دفتر میں گئے تھے تو شیخ قیوم بھی وہاں موجود تھے ان کا کہنا تھا کہ دوسرے دن جمعہ ہے اور ان کو چھٹی ہوگی اس لئے ہم سب صبح کا کھانا شیخ قیوم کے ہاں کھائیں اور رات کا کھانا عثمان صاحب کے ہاں رہے گا تاکہ سبھی کو مل بیٹھ کر ملنے کا موقع مل سکے گا۔

اس دن ساری رات بارش ہوتی رہی قیوم لالہ صاحب کو آنا تھا وہ بھی بارش کی وجہ سے نہیں آپائے تھے ابھی ہم نہا دھو کر تیار ہی ہو رہے تھے کہ میرے ایک شاگرد خالد مظفر (جو محکمہ ریڈیو میں ڈائرکٹر ہیں) اپنے ایک ساتھی محمد رشید صاحب کے ساتھ تشریف لائے وہ مجھے اور ساوتری کو مل کر بہت خوش ہوئے ان کا اصرار تھا کہ ہم ان کے گھر چلیں بارش ہو رہی تھی اور ہم نے دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے شیخ قیوم صاحب کے ہاں بھی جانا تھا۔ خالد مظفر صاحب اپنے ساتھ چھاتے بھی لائے تھے اور ان کا دولت خانہ بھی نزدیک ہی تھا اس لئے ہم ان کا اصرار ٹال نہیں سکے میں ساوتری رشید صاحب چھاتے لے کر بارش میں ہی خالد صاحب کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں انھوں نے ہیٹر لگا دیا تاکہ ہمارے کپڑے سوکھ جائیں۔ خالد صاحب کی بیوی نہایت ہی خوش خلق خاتون ہیں وہ اور خالد صاحب ہم دونوں سے خوب باتیں کرتے رہے۔ رشید صاحب پرائیوٹ پریکٹس کرتے ہیں انھوں نے بھی اپنے کلینک ٹیلی فون کیا کہ ان کے استاد آئے ہوئے ہیں اس لئے وہ بھی کلینک نہیں جائیں گے۔ کچھ دیر کے لئے چائے کا دور چلتا رہا اور سکول کے زمانہ کی بھولی بسری باتیں تازہ ہوتی رہیں۔ جب ہم نے شیخ قیوم صاحب کے ہاں جانے کے لئے اجازت چاہی تو رشید صاحب نے شیخ قیوم کو ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ ان کے مہمان خالد مظفر صاحب کے ہاں بیٹھے ہیں اور وہ گاڑی بھیجیں اور ہم سب بھی

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ان کے ساتھ آئیں گے تھوڑی دیر میں گاڑی آگئی۔ خالد صاحب کے کچھ مہمان آنے والے تھے اس لئے وہ تو نہیں چل سکے ہم اور رشید صاحب چل دیئے۔ راستہ میں میں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم تھوڑی دیر کے لئے اپنے محترم ہیڈ ماسٹر افسر صاحب سے ملیں گے۔ جناب افسر صاحب کو لقوہ ہو گیا تھا وہ بستر سے اُٹھ ہی نہیں سکتے تھے ان کے بیٹے نے انھیں سہارا دے کر تھوڑا سا اٹھا کر تکیوں کے سہارے بٹھایا اور وہ روتے ہوئے میرے گلے ملے ان کی زبان میں بھی لغزش تھی مجھے چالیس سال کے بعد ان سے مل کر بہت خوشی ہوئی لیکن ان کی حالت دیکھ کر رنج بھی ہوا انھوں نے اشارے سے اپنی بیٹی کو ہمارے لئے چائے بنانے کے لئے کہا۔ ہم جلدی میں تھے، اس لئے پھر ملنے کا کہہ کر اُن سے رخصت ہوئے اور شیخ قیوم صاحب کے گھر دیر سے پہنچے، وہاں عثمان صاحب حفیظ صاحب اور سبھی ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

شیخ قیوم صاحب کے گھر کے سامنے دریائے کشن گنگا کے کنارے وہ مقام صاف دکھائی دے رہا تھا جہاں چالیس سال پہلے اماں نے جل سمادھی لی تھی میں نے ساوتری کو کہا چل کر اس جگہ کو نزدیک سے دیکھتے ہیں اُس نے ایک آہ بھری اور رونی صورت بنا کر کہا کہ مجھے اس جگہ سے وحشت ہو رہی ہے اور وہ ایکدم اندر داخل ہو گئی میرا خیال تھا کہ اگر ممکن ہو سکے وہاں اس جگہ کوئی یادگار بنائیں اس کے لئے اپنے عزیز شاگردوں سے مشورہ کروں۔ لیکن ساوتری کی وحشت ناک حالت دیکھ کر مجھے کچھ بھی کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

تھوڑی دیر کی گپ شپ کے بعد کھانا شروع ہوا۔ کھانے کے بعد طالب علمی کے زمانے کی کچھ باتیں ہونے لگیں رشید صاحب کہنے لگے کہ ایک بار ہم سب پہاڑ کی سیر کے لئے گئے تھے جب ہم سب تھک کر ایک جگہ سستانے کے لئے بیٹھ گئے تب استاد محترم نے فرمایا کہ ٹانگیں قدرے اونچی کر کے اور سر کو تھوڑا نیچے کر کے لیٹ جانے سے تھکاوٹ جلدی دور ہو جاتی ہے عثمان صاحب نے بھی ایک اور واقعہ یاد دلایا۔ کہ میٹرک کا داخلہ بھیجنے کے لئے جب میں نے ان کا ٹیسٹ لیا تھا تو اُس ٹیسٹ کے نمبروں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کی فہرست بنانے میں کسی نے کوئی گھپلا کر دیا تھا کچھ نالائق لڑکوں کے زیادہ نمبر آ رہے تھے جب میں نے یہ لسٹ دیکھی تو میں نے اس پر اعتراض کیا اور دوبارہ ٹیسٹ لینے کا فیصلہ کیا لیکن وہ طالب علم جن کو غلطی سے زیادہ نمبر ملے تھے بضد تھے کہ یہ لسٹ ٹھیک ہے لیکن میں ہرگز نہ مانا اور کہا کہ یہ لسٹ کسی بھی حالت میں قابل قبول نہیں اس وقت جبکہ ہم لوگ ایک طرح کی اسیری کی حالت میں رہ رہے تھے میں جائز بات پر اٹل رہا اور دوبارہ ٹیسٹ لیا۔ شیخ قیوم نے بھی ایک مزاحیہ واقعہ سنایا۔ ہم جب ایجوکیشنل کانفرنس میں حصہ لینے کے میرپور گئے تھے تو انہی دنوں ہمارے سکول نے نیا بینڈ خرید کیا تھا لیکن طالب علم اُسے بجانے کی ابھی مشق نہیں کر پائے تھے ہم اس بینڈ کو بھی اپنے ہمراہ میرپور لے گئے تھے وہاں جتنے سکول بھی آئے تھے کسی کے پاس بینڈ نہیں تھا۔ مارچ پاسٹ میں ہمارے سکول کی ٹکڑی نے بینڈ تو اٹھائے ہوا تھا لیکن بجا نہیں رہے تھے۔ مارچ پاسٹ کی سلامی صدر کرنل علی احمد شاہ لے رہے تھے انہیں سنائی بہت کم دیتا تھا اس لئے وہ ہیرنگ ایڈ استعمال کرتے تھے جب ہمارے سکول کی ٹکڑی بینڈ لے کر ان کے سامنے سے گزر رہی تھی تو وہ اپنی ہیرنگ ایڈ کو مضبوطی سے اپنے کان میں ٹھونس رہے تھے کیونکہ انہیں بینڈ کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی جو بج ہی نہیں رہا تھا۔ اس واقعہ نے سب کو ہنسا دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے شاگردوں کو میری چھوٹی چھوٹی باتیں بھی یاد تھیں جنکو میں بھول چکا تھا وہ مجھے بڑے پیار اور احترام سے استاد محترم کہکر اس طرح مخاطب ہوتے جس طرح کہ مہابھارت اور رامائن کے زمانے کے شاگرد اپنے گرو کو مانتی گرو دیو یا پوجنیہ گرو دیو کہکر مخاطب ہوتے تھے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ سب میرے شاگرد ہی نہیں بلکہ میرے عزیز بچے ہیں جن کو میں چالیس سال کے بعد نہیں مل رہا بلکہ یہ ہمیشہ میرے ساتھ تھے۔

تین بجے کے لگ بھگ ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔ قیوم لالہ اس دعوت میں شریک نہیں ہوئے تھے اس لئے ہم حفیظ صاحب کے ساتھ چلے تاکہ لالہ سے ان کے گھر پر ہی ملیں لیکن حفیظ صاحب بجائے گھر جانے کے ہمیں لوہار گلی کی طرف سیر کرنے کے لئے گئے۔ اونچائی پر پہنچ کر ہم نے دوربین سے شہر کا نظارہ لیا ہم نے وہاں سے دیکھا کہ شہر

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کی حدود ایک طرف سے چھتر تک پھیلی ہوئی ہے دریا کے پار چھٹی بادشاہی نلوچھی تک اور پرانے شہر میں ایک طرف زیارت سید سلطان شاہ اور دوسری طرف سے رنجاٹا تک جاتی ہے جہاں پہلے کوئی آبادی نہیں ہوتی تھی یہ اب عمارات ہی عمارات تھیں ۔ واپسی پر پھر ہم چیلہ کی طرف ماکڑی کے آگے تک گئے ماکڑی دریا کی شہر والی جانب ہے یہاں جناب دولت رام شرما صاحب جو بعد میں ریاست کے بجلی محکمہ کے چیف انجینئر رہے چھوٹا سا پانی سے چلنے والا پاور ہاوس بنایا تھا۔ جس سے پہلی بار مظفرآباد شہر کو برقی رو میسر ہوئی تھی اس وقت یہ بہت بڑی کامیابی تھی اب یہ پاور ہاوس بند ہو چکا تھا یہاں پر جامعہ اسلامیہ میں درس و تدریس ہو رہی ہے ۔

پھر ہم سرکاری باغ کی طرف لڑکوں کا سکول کالج اور یونیورسٹی دیکھنے گئے واپسی پر شفیق صاحب کی مصنوعات کی دوکان دیکھی جہاں پر لکڑی پر کھدائی کا کام نہایت ہی نفاست سے ہو رہا تھا ۔ اس بازار میں اور بھی کچھ دستکاریوں کی دوکانیں تھیں جن میں قالین نمدے گبے ۔ پٹو ۔ اونی شال ۔ سلک ۔ اونی کپڑے ۔ پیپر ماشی اور لکڑی پر گلکاری کے کام کی مصنوعات بغرض فروخت تھیں ۔ یہ سب دستکاریاں یہاں پہلے نہیں بنتی تھیں ان کی شروعات اس دور میں ہی ہوئی ہے ۔ اور یہ اس دور کی نمایاں کامیابی ہے ۔

بارش ابھی بھی ہو رہی تھی ہمیں حفیظ صاحب نے قیام گاہ پر چھوڑا اور خود شام کو ملنے کے لئے کہکر چل دیئے ۔ اس دوران محمد اسلم خان کو ہمارے آنے کا پتہ چلا وہ ہم سے ملنے کے لئے اس موسلا دھار بارش میں امبور سے چل کر تشریف لائے تھے اور وہ ہماری غیر حاضری میں دو مرتبہ ہو کر پھر آنے کے لئے کہہ گئے تھے اسلم خان راجہ اسمٰعیل خاں جاگیر دار امبور کے اکلوتے فرزند ہیں وہ بھی سکول میں میرے پاس تعلیم حاصل کرتے تھے ماسٹر اونکار ناتھ جو ہمارے ساتھ ہی سکول میں پڑھاتے تھے ان کے گھر ہی رہتے تھے ہم صبح ہر روز امبور سے خان صاحب کے ٹانگہ پر سکول آتے تھے اسلم خان بھی روزانہ ہمارا ہم سفر ہوتا تھا اس لئے ہمارا اس سے بہت ہی پیار تھا اسمٰعیل خان صاحب بہت ہی نیک اور رحمدل انسان ہیں وہ کیمپ کے ہر حاجت مند کی مدد کرتے رہتے تھے اسلم خان پھر تیسری بار چھ بجے کے لگ بھگ

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ملنے آیا تب تک ہم گھر واپس آچکے تھے۔ ہم بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اسلم خان نے مجھے بتایا کہ اسمٰعیل خاں صاحب کو ادھرنگ ہو گیا وہ چل پھر تو سکتے ہیں لیکن بول نہیں سکتے مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا اُس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ماسٹر اونکار ناتھ بھی فوت ہو چکے ہیں۔ اُس نے بہت ضد کی کہ ہم ایک دو دِن کے لئے ان کے گھر جاکر رہیں تاکہ ان کو تسلی ہو۔ اُس وقت تو زور کی بارش ہو رہی تھی لہذا میں نے وعدہ کیا کہ اگر ہم ایک دو دن اور رک سکے تو ضرور خود ہی ان کے پاس حاضر بھی ہونگے۔ اور اسمٰعیل خاں صاحب کے بھی دیدار کریں گے۔

بارش کافی شدت سے ہو رہی تھی ہمیں خدشہ تھا کہ ہم عثمان صاحب کے ہاں دعوت پر جاسکیں گے کہ نہیں، اس لئے ہم آرام سے لیٹ گئے۔ اس مسلسل بارش اور راستے بند ہونے کی وجہ سے ساونتری پریشان ہو رہی تھی وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ زندگی بھر اس نے مجھے اتنا خوش اور دل کھول کر باتیں کرتے نہیں دیکھا جس طرح وہ مجھے یہاں دیکھ رہی ہے اُسے ڈر لگنے لگا تھا کہ میں یہاں رک گیا تو واپسی مشکل ہو جائے گی کیونکہ ہمارا ویزا، اپریل تک ہی تھا اور اُسی دن ہم نے لاہور سے اُڑان بھی لینی تھی آٹھ ساڑھے آٹھ بجے کے قریب قیوم لالہ تشریف لائے اور ہمیں چلنے کے لئے فرمایا۔ ہم اُسی حالت میں اپنا اپنا شال اوڑھ کر چل دیئے اور عامر ملک مظفر ملک صاحب کے چھوٹے لڑکے جو یہاں مظفر آباد میں ہماری دیکھ بھال کی ذمّہ داری نبھا رہے تھے ان کو بھی ساتھ لے لیا۔ قیوم لالہ نے بتایا کہ میرے ایک نہایت ہی عزیز اور مخلص شاگرد بشارت صاحب جو یہاں سپریم کورٹ کے جج تعینات ہو کر آئے تھے پہنچ چکے ہیں اور اس وقت اپنے بہنوئی کے گھر پر تشریف رکھتے تھے ان کا گھر راستہ میں ہی پڑتا تھا اس لئے ہم نے سوچا چند منٹ کے لئے ان سے بھی مل کر چلتے ہیں باہر بارش ہو رہی تھی اس لئے وہ ہمیں ملنے گاڑی تک تشریف لے آئے میں نے اُن سے عرض کی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ دعوت میں چلیں تو کچھ دیر کے لئے ملاقات ہو سکے گی بشارت صاحب بغیر کچھ کہے گاڑی میں بیٹھ گئے وہ پرہیزگاری میں اپنی مثال خود ہیں کسی کے ہاں دعوت میں شریک نہیں ہوتے کسی کا احسان قبول نہیں کرتے وہ پہلے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

منسٹر بھی رہ چکے تھے لیکن انہیں اوصاف کی بنا پر زیادہ دیر تک نہیں سکے۔ راستہ میں جب ان سے پوچھا کہ آپ نے تو اس دعوت میں جانے سے انکار کر دیا تھا اب کیسے مان گئے کہنے لگے یہ استاد محترم کا حکم ہے اس کی تعمیل فرض ہے بشارت صاحب کی وجہ سے دعوت میں کافی چہل پہل رہی۔ آپ پرہیزگار ضرور ہیں لیکن ہنسی مذاق میں بھی آپ کا ثانی کوئی نہیں عثمان صاحب نے اپنے کچھ احباب کو مدعو کر رکھا تھا جو میرے واقف نہیں تھے میں تو فقط اپنے شاگردوں سے ہی شناسائی رکھتا تھا۔ اِن اصحاب سے میرا تعارف کروایا گیا۔

گپ شپ بہت دیر تک چلتی رہی ان چالیس سالوں میں جو کچھ بھی رونما ہوا تھا۔ اس پر سیر حاصل تبصرہ ہوا کچھ پرانی باتیں بھی دھرائی گئیں۔ میں نے دوسرے دن راستہ کھلا ہونے کی صورت میں حفیظ صاحب کے ساتھ واپس جانے کی خواہش ظاہر کی اس پر سب کو اعتراض تھا وہ بضد تھے کہ میں کچھ دن اور رکوں اس اظہار میں بشارت صاحب کا پرزور اصرار بھی شامل تھا۔ مظفر آباد سے راولپنڈی اسلام آباد آنے کے دو راستے ہیں پہلا کوہالہ کوہ مری سے ہو کر اور دوسرا ایبٹ آباد حویلیاں کے راستہ سے اس وقت تک یہ دونوں راستے بند تھے اس لئے بھی سب نے یہی کہا کہ ایک دو دِن مزید رک جائیں لیکن میرا یہی زور تھا جیسا خدا کو منظور ہو گا۔ رات کے بارہ بجے ہم وہاں سے روانہ ہوئے کچھ تھوڑا آسمان صاف ہو رہا تھا ہم نے باہر نکل کر چھتر کی کالونی کا جائزہ لیا اور ملک منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

دوسرے دن صبح ہی میں اور رساوتری قیوم لالہ کے ساتھ پھر اپنا مکان دیکھنے گئے جواب ہمارا نہیں تھا۔ حوالدار صاحب کے فرزند نے چائے کے لئے اصرار کیا لیکن ہم جلدی میں واپس آ گئے اس کا اُنہیں بُرا محسوس ہوا لیکن ہم بھی مجبور تھے۔ بازار سے ایک سوٹ کا کپڑا خرید کر کے واپس آئے تو ریڈیو سٹیشن کی گاڑی ہمیں لینے کے لئے کھڑی تھی۔ ریڈیو سٹیشن پر تھوڑی دیر ہی بیٹھے تھے کہ حفیظ صاحب کا ٹیلی فون آیا کہ ایبٹ آباد والا راستہ کھل گیا ہے اور وہ اُس راستہ سے اپنی گاڑی میں جا رہے ہیں اگر ہم

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

نے بھی چلنا ہو تو تیار ہو جائیں۔ ہم نے خالد مظفر سے کہا کہ ہم اسلام آباد نہیں گئے تو جلدی واپس اُن کے پاس آجائیں گے۔ ساوتری تو پہلے ہی جانے کے لئے بضد تھی میں بھی راستہ بند ہو جانے کے ڈر سے اس کا ہم خیال ہو رہا تھا۔ اس دوران محمد یوسف صاحب ڈپٹی چیف سکریٹری کا ٹیلی فون موصول ہوا کہ اُنہیں ملے بغیر نہیں جائیں ملک منزل آکر ہم نے جلدی سے اپنا سامان پیک کیا اور گاڑی میں رکھا بے جی گھر پہ نہیں تھیں وہ شاید ساوتری کے لئے کچھ کپڑے وغیرہ خرید کرنے بازار گئی ہوئی تھیں اور عامر بھی بینک گیا ہوا تھا اس عجلت کی واپسی کے لئے ہم بے جی اور عامر سے نہیں مل سکے جس کا ہمیں ازحد افسوس ہے۔ بے جی نے بھی بعد میں اسلام آباد ٹیلی فون کر کے اپنی سخت ناراضگی ظاہر کی تھوڑی دیر کے لئے سکریٹریٹ میں جناب یوسف صاحب سے ملنے کے لئے گئے واپسی پر کافی دیر ہو چکی تھی اس لئے کسی سے بھی مل نہیں سکے۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

سلام

ہم مظفر آباد سے ساڑھے بارہ بجے روانہ ہوئے۔ باہمی ملاقاتوں اور دیگر مشاہدے سے ظاہر ہوا کہ جموں کشمیر کا جو حصّہ پاکستان کے قبضہ میں ہے وہ ساری ریاست جموں کشمیر کے رقبہ کا تقریباً تیسرا حصّہ ہے ساری ریاست کا رقبہ دولاکھ بائیس ہزار دوصد چھتیس مربع کلومیٹر ہے جس میں سے اٹھہتر ہزار دوصد اٹھارہ مربع کلومیٹر رقبہ پاکستان کے زیر قبضہ ہے اس کے علاوہ پانچ ہزار ایک صد اسی مربع کلومیٹر رقبہ ایسا ہے جو حکومت پاکستان نے غیر آئینی طور پر چین کے قبضہ میں دے دیا ہے اس میں سے چونسٹھ ہزار نوصد اکیس مربع کلومیٹر رقبہ گلگت۔ بلتستان اور دیگر سرحدی اضلاع کا ہے جو کہ پاکستان کی وفاقی حکومت کی براہ راست عملداری میں ہے باقی صرف تیرہ ہزار دوصد ستانوے مربع کلومیٹر رقبہ وہاں موجودہ نظام کے مطابق پانچ صوبوں مظفر آباد۔ باغ۔ پونچھ۔ کوٹلی اور میرپور پر مشتمل ہے اس علاقہ کو وہ لوگ آزاد جموں و کشمیر کا نام دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کے زیر قبضہ جموں کشمیر کا جو علاقہ آتا ہے اس کا پانچواں حصّہ ہی جزوی طور پر مقامی حکومت کی عملداری میں ہے باقی سارا علاقہ پاکستان کی مرکزی حکومت کے سیدھے کنٹرول میں ہے جسکا مقامی حکومت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

گلگت کو شاہراہ قراقرم کے ذریعہ سے اسلام آباد سے ملایا گیا ہے یہ شاہراہ آگے چل کر گلگت اور ہنزہ سے ہوتی ہوئی خنجراب درہ کے راستہ سے چین کے تاش کور گام

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

اور کاشغر شہروں تک جاتی ہے اِن شہروں کا بیجنگ سے سیدھا بذریعہ ریل رابطہ ہے گلگت جانے کے لئے پشاور سے بھی سیدھی سڑک ہے یہ سڑک پشاور سے سیدھو شریف (وادی سوات) سے ہوتی ہوئی قلعہ لبشیم کے مقام پر شاہراہ قراقرم سے ملتی ہے مانسہرہ سے ایک مزید سڑک بھی وادی کاغان سے ہوتی ہوئی بابو درہ کو پار کر کے علاقہ گلگت میں داخل ہو کر چلاس کے مقام پر شاہراہ قراقرم سے جاملتی ہے ایک اور رابطہ سڑک وادی چترال سے چترال قصبہ سے شندور درہ سے ہو کر گلگت جاتی ہے اس کے علاوہ گلگت اور سکردو دونوں شہروں کا اسلام آباد سے ہوائی رابطہ بھی ہے اسلام آباد سے روانہ اُڑان گلگت اور سکردو جاتی ہے۔ یہ ہوائی سفر ایک گھنٹہ کا ہے اور کرایہ ڈھائی صد روپیہ کے لگ بھگ ہے حکومت پاکستان نے وادی گلگت وادی سکردو اور وادی ھنزہ کو سیاحوں کی دلچسپی کے لئے کھول دیا ہے ان وادیوں میں خاص ویزا حاصل کر کے سیاحوں کو جانے کی اجازت ہے۔ یہاں قدرتی خوبصورتی کے علاوہ بدھ مت کے پراچین آثار قابل دید ہیں کوہ پیماؤں کے لئے بھی یہ علاقے باعث کشش ہیں وہاں دلفریب جھیلیں بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں کاچورہ اور ست پارہ قابل ذکر ہیں پاکستان کے سیاحتی نقشہ میں وادی سوات کاغان اور چترال کے ساتھ ساتھ وادی ھنزہ سکردو اور گلگت کو نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے۔

جموں کشمیر کے تیرہ سو مربع کلومیٹر علاقہ میں پاکستان کے زیر سایہ آزاد جموں کشمیر کی حکومت بنی ہے اس کو ایک خود مختار اکائی ظاہر کرنے کے لئے وہاں ایک صدر ہیں منتخب شدہ اسمبلی ہے جبکہ کالیڈر پرائم منسٹر ہے جو کابینہ کا سربراہ ہے لیکن ۱۹۷۴ء سے لے کر آج تک آپ دوسرے وزیر اعظم ہیں۔ انھوں نے یہ قلم دان سترہ جون ۱۹۸۵ء کو سنبھالا ہے اس سے پہلے جون ۱۹۷۵ء سے لے کر ۱۱ راگست ۱۹۷۷ء تک راجہ عبدالحمید خاں صاحب وزیر اعظم تھے باقی عرصہ وہاں صدر راج ہی رہا ہے راجہ عبدالحمید خان صاحب کے بعد ۱۲ راگست ۱۹۷۷ء سے لیکر ۱۶ رجون ۱۹۸۵ء تک چیف ایگزیکٹوٹی رہے ہیں اس وقت سردار سکندر حیات خان صاحب وزیر اعظم ہیں۔ نوکر شاہی میں چیف سکریٹری کا

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

خصوصی مقام ہے جو پورے نظام کو چلاتا ہے وہ حکومت پاکستان سے آتا ہے ہم نے اپنے قیام کے دوران صدر صاحب کو زیادہ تر پاکستان کے مختلف شہروں کا دورہ پر ہی پایا وزیر اعظم بھی پہلے پاکستان میں ہی تھے اور بعد میں وہاں سے ضلع کوٹلی میں اپنے آبائی گاؤں نکیاں میرپور کا دورہ کرتے ہوئے تشریف لے گئے تھے ہماری طرح وہاں کی لا اینڈ آرڈر کی حالت اتنی خراب نہیں ہے۔

وہاں کی کل آبادی چوبیس لاکھ ہے دفتری زبان اردو ہے لیکن عام بول چال کی زبان کشمیری۔ پہاڑی۔ گوجری۔ ہندکو اور کوہستانی ہیں۔ مظفر آباد اور پونچھ کے اضلاع پہاڑی ہیں جب کہ میرپور اور کوٹلی کے اضلاع زیادہ تر میدانی ہیں مظفر آباد وہاں کا صدر مقام ہے جس کا رقبہ اُنیس کلومیٹر مربع ہے اور آبادی پچاس ہزار۔ مظفر آباد کا رابطہ سیدھی سڑک سے صرف باغ اور پونچھ کے اضلاع تک ہے باقی دو اضلاع کوٹلی اور میرپور کا سڑک سے رابطہ اسلام آباد کے راستے ہے۔ باغ اور پونچھ اضلاع کے صدر مقام باغ اور راولاکوٹ بھی سڑک کے ذریعہ اسلام آباد سے ملے ہوئے ہیں۔ گویا پانچوں اضلاع اسلام آباد کی وساطت سے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اسلام آباد سے ان اضلاع میں داخل ہونے کے راستے اسطرح سے ہیں مظفر آباد براستہ کوہالہ ایک صد آٹھ کلومیٹر۔ براستہ برار کوٹ (سابقہ رام کوٹ) ایک صد پچانویں کلومیٹر۔ اضلاع باغ اور پونچھ کے لئے براستہ ڈھلکوٹ ترپن کلومیٹر اور براستہ آزاد پتن اسی کلومیٹر۔ ضلع کوٹلی کو براستہ کروٹے چھہتر کلومیٹر۔ اور ضلع میرپور کو براستہ منگلا ایک صد کلومیٹر۔

سیاحتی لحاظ سے کچھ مقامات کو توسیع دی گئی ہے جن میں ضلاع مظفر آباد میں وادی نیلم انتہائی خوبصورت علاقہ ہے یہ پرکشش وادی مظفر آباد کے شمال مشرق میں دریائے نیلم (کشن گنگا) کے ساتھ ساتھ دونوں جانب وادی کشمیر اور وادی کاغان کے سینہ میں واقع دو صد کلومیٹر تک پھیلی ہوئی ہے اس کو دو سلسلہ کوہ جو ۶۵ ، میٹر تا ۵۷۵ ۴ میٹر بلند ہیں ایک دوسرے سے جدا کرتے ہیں۔ اس کے سدا بہار

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

جنگلات اور زندگی بخش جڑی بوٹیوں سے مزین اور وادی میں ہر سو سبزہ ہی سبزہ ہے حقیقت میں یہاں فطرت اپنے پورے جمال اور بانکپن کے ساتھ جلوہ افروز ہے اس وادی کی سیاحت کا آغاز مظفر آباد سے ہوتا ہے یہ قصبہ دریائے نیلم (کشن گنگا) اور دریائے جہلم کے سنگم پر واقع ہے اس سنگم پر قدیم زمانہ میں بیساکھی کے تیوہار پر بہت بڑا میلہ لگتا تھا جہاں زائرین دور دور سے اِس دن یہاں پوتر اشنان کرنے آتے تھے۔ مظفر آباد کو بمبہ خاندان سے تعلق رکھنے والے مظفر خاں نے آباد کیا تھا۔ اور انہی کے نام کی مناسبت سے اس شہر کا نام مظفر آباد رکھا گیا۔ اس شہر کے گرد و نواح میں صوفیا کرام کے بہت سے مزارات موجود ہیں جن میں دربار حضرت سائیں سہیلی سرکار دربار حضرت شاہ عنایت ولی دربار دھنی مائی صاحبہ اور دربار پیر چناسی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں دو تاریخی قلعے بھی موجود ہیں قلعہ بلیٹ آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے لوگوں کے لئے اہمیت کا حامل ہے یہاں سیاحوں کی دلچسپی کے لئے ایک عجائب گھر بھی تعمیر کیا ہوا ہے مظفر آباد کا موسم گرمیوں میں کافی گرم ہوتا ہے جبکہ سردیوں میں سخت سردی پڑتی ہے یہاں رہائش کی اور دیگر ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں۔

مظفر آباد سے کنڈل شاہی تک ۷۴ کلومیٹر پختہ سڑک ہے آگے علاقہ گریز تک نیم پختہ سڑک ہے جس پر جیپ گاڑیوں کے لئے ہی راستہ ہے کنڈل شاہی سے تین کلومیٹر کے فاصلہ پر دریائے نیلم کے کنارے پر ساطلہ ایک دلکش سیاحتی مقام ہے کنڈل شاہی سے ہی دس کلومیٹر کے فاصلہ پر اٹھمقام ہے جو نیلم وادی کا سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر ہے آگے یہ نیم پختہ سڑک بلمت تک جاتی ہے راستہ میں نیلم و دواریاں کے سیاحتی مقامات سے ہوتے ہوئے مظفر آباد سے ۱۳۶ کلومیٹر کے فاصلہ پر شاردا کا قصبہ ہے یہ جگہ حسن و دلکشی کے لحاظ سے وادی نیلم کا دل ہے اور دیکھنے والوں کے لئے یہاں کا ہر منظر سکون بخش ہے اس کے علاوہ یہاں ڈوگرہ عہد کا ایک قلعہ بھی موجود ہے۔

شاردا سے ۱۹ کلومیٹر کے فاصلہ پر کیل کا چھوٹا سا قصبہ آتا ہے یہاں آریاؤں اور منگولوں کی مخلوط نسل سے تعلق رکھنے والے تین ہزار سے زائد افراد آباد ہیں یہ لوگ پولو کھیلنے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کے بہت شوقین ہیں کیل میں شونٹر نالہ دریائے نیلم میں شامل ہو جاتا ہے اس نالہ کے ساتھ سفر کر کے شونٹر درہ کے ذریعہ گلگت کے علاقہ میں داخلہ ممکن ہے۔ کیل میں ہر طرح کی سہولیات موجود ہیں کیل سے چالیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہلمت وادی نیلم کے بالائی اور آخری حصّہ میں واقع ہے یہ ایک خوبصورت اور قدرتی حسن و دلکشی سے مالامال جگہ ہے یہ علاقہ عام طور پر گریس کہلاتا ہے۔

وادی جہلم مظفر آباد سے دریائے جہلم کے دونوں کناروں پر چکوٹھی گاؤں تک کوئی ساٹھ کلومیٹر لمبی ہے چکوٹھی کنٹرول لائن کے کنارے پر واقع ہے اس وادی میں چکار کا پر فضا مقام مظفر آباد سے ۴۶ کلومیٹر کے فاصلہ پر مظفر آباد چناری سڑک کی جنوبی سمت ایک پہاڑی کی چوٹی پر نہایت دلکش مقام ہے جہاں سے جہلم ویلی کا نظارہ کیا جا سکتا ہے اور چناری کا پڑاو قدموں میں دکھائی دیتا ہے یہاں گرمیوں میں راحت پانے کے لئے سیاح کثیر تعداد میں آتے ہیں جن کے لئے یہاں زندگی کی ہر طرح کی آسایش میسّر ہیں۔ مظفر آباد سے روزانہ بسیں چناری اور چکار کے لئے جاتی ہیں تقسیم وطن سے پہلے چکار میں زیادہ تر آبادی سکھ بھائیوں کی تھی مظفر آباد سری نگر قومی شاہراہ پر دھنی بقالاں کے مقام سے ایک بل کھاتی پختہ سڑک بلندی کی طرف بسوئے چکار گامزن ہو جاتی ہے آگے چل کر یہی سڑک لون لگلہ اور ڈنگیاں سے ہوتی ہوئی سدھن گلی جسکی اونچائی ۲۱۳۴ میٹر ہے پار کر کے ضلع پونچھ باغ میں باغ کے قصبہ تک جاتی ہے سدھن گلی کی ایک جانب بلند پہاڑ گنگا چوٹی ہے جس کی اونچائی ۴۵۰۳ میٹر ہے جو کوہ پیمائی کے شائقین کے لئے منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

وادی لیپہ بے حد خوبصورت علاقہ ہے یہاں حد نگاہ تک سبزہ ہی سبزہ نظر آتا ہے گھنے جنگلات کا سبز لبادہ اوڑھے ہوئے پہاڑ اور ڈھلوانیں اور ان کے دامن میں سلسلہ در سلسلہ پھیلے ہوئے دھان کے کھیت بیحد دلکش منظر پیش کرتے ہیں یہاں اخروٹ کے درختوں کے جھنڈ دور دور تک پھیلے نظر آتے ہیں یہاں کا شہد۔ گلاس۔ اخروٹ اور سیب اعلی قسم کا ہوتا ہے یہاں روایتی کشمیری طرز تعمیر دیکھنے کو ملتا ہے مکان دو تین

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

منزلہ اور مکمل طور پر لکڑی کے بنے ہوئے ملتے ہیں یہ وادی چاروں اطراف سے برف پوش پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اور اس کے وسط میں صاف وشفاف ندی رواں ہے ان خصوصیات کے باعث وادی لیپہ کو کشمیر صغیر یا منی کشمیر سے بھی جانا جاتا ہے نیلی کے پڑاؤ سے ریشیاں تک ۲۲ کلومیٹر پختہ سڑک ہے ریشاں گلی سے آگے صرف جیپ ہی لیپہ تک جاتی ہے مظفر آباد سے روزانہ تین بسیں ریشاں تک آتی جاتی ہیں۔

وادی نیلم اور وادی لیپہ غیر ملکی سیاحوں کے لئے ممنوعہ علاقے ہیں۔ ضلع پونچھ اور باغ ایک خوبصورت علاقہ ہے اس سرسبز و شاداب سرزمین کو سلسلہ کوہ اور ندی نالوں نے چار حصوں دھیر کوٹ۔ راوالا کوٹ۔ پلندری اور علی آباد (حاجی پیر) میں تقسیم کر رکھا ہے یہ مقام سیاحوں کے لئے کشش رکھتے ہیں دھیر کوٹ کا قصبہ سیاحوں میں ہل سٹیشن کے طور پر بے حد مقبول ہے یہاں ان کے لئے زندگی کی سب ہی آسائش میسر ہیں جن میں محکمہ جنگلات کا ایک پاش گیسٹ ہاوس اور لاگ ہٹز سیاحوں کے لئے کشش کا باعث ہے کائیل اور دیوار کے ملے جلے جنگلات نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور یہاں کی فضا کو معطر بنا دیا ہے یہ پُر فضا مقام کوہالہ سے ۴۲ کلومیٹر کی دوری پر پختہ سڑک سے منسلک ہے۔

چھوٹا گلہ اسلام آباد سے براستہ کہوٹہ ۴۱ کلومیٹر اور براستہ کوہالہ ۱۲۰ کلومیٹر کی دوری پر ضلع پونچھ کا انتہائی خوبصورت دلکش اور پرسکون ماحول کی بدولت ایک انفرادیت حامل کا مقام ہے۔ ایک مصنوعی جھیل اور اپنے محل وقوع۔ آب وہوا اور روح پرور مناظر کی بدولت ایک مقبول ہل سٹیشن ہے اسی طرح علی آباد جو کہ حاجی پیر کے دامن میں ہے دیودار اور صنوبر کے گھنے جنگلات سے گھرا ہوا ہے۔ تقسیم وطن سے قبل علی آباد اوڑی پونچھ سڑک پر ایک نہایت ہی پرکشش پڑاؤ تھا۔ اسی ضلع میں تتہ پانی گندھک ملے گرم پانی کے چشموں کی وجہ سے کافی مشہور ہے ان چشموں کا پانی جوڑوں کی تکلیف اور جلد کی بیماریوں کے لئے باعث شفا ہے موسم سرما میں روزانہ ڈھائی تین سو افراد یہاں اپنی بیماریوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں یہ مقام جو کہ کوٹلی سے ۲۷ کلومیٹر کی دوری

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

پر ہے غیر ملکی سیاحوں کے لئے ممنوع ہے۔
ضلع میرپور زیادہ تر میدانی علاقے پر مشتمل ہے۔ یہاں کے باشندے بے حد جفاکش ہیں یہاں سے بہت سے لوگ حصول روزگار کے لئے بیرونی ممالک بالخصوص برطانیہ چلے گئے ہیں اس طرح سے یہ ضلع سب سے زیادہ زرمبادلہ کمانے والا ہے منگلا ڈیم کی تعمیر کے دوران میرپور کا قدیم شہر زیر آب آجانے کی وجہ سے تقریباً پچاس ہزار باشندوں کو بے گھر ہونا پڑا لیکن اِس کے نتیجہ میں ایک جدید میرپور شہر منگلا جھیل کے کنارے پر عمل وجود میں آیا۔ جس کو منصوبہ بند طریقہ سے بسایا گیا ہے یہ ایک بہت بڑا صنعتی مرکز ہے یہاں بہت سے نئے کارخانے کھل رہے ہیں اس سے میرپور کا شمار بڑے صنعتی شہروں میں ہونے لگا ہے۔ میرپور سے پندرہ کلومیٹر اور اسلام آباد سے ایک صد کلومیٹر کے فاصلہ پر منگلا جھیل کے کنارے منگلا ایک چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے منگلا بند کی تعمیر سے چار صد مربع کلومیٹر ایک دلکش جھیل وجود میں آئی ہے جس نے منگلا کو ایک خوبصورت سیاحتی مقام میں بدل دیا ہے جو دینہ قصبہ کے ذریعہ جی ٹی روڈ سے ملا ہوا ہے۔

اس وقت وہاں مسلم کانفرنس کی حکومت ہے سب سے پہلے وہاں جو سول نظام قائم ہوا تھا تو سردار محمد ابراہیم خاں صاحب اُس کے سربراہ یعنی صدر مقرر ہوئے تھے ان کا یہ پہلا دور صدارت چوبیس اکتوبر ۱۹۴۷ء سے بارہ مئی ۱۹۵۰ء تک کا تھا وہ دوبارہ تیرا اپریل ۱۹۵۷ء سے تیس اپریل ۱۹۵۹ء تک اس عہدہ پر جلوہ افروز رہے اور پھر تیسری بار آپ پانچ جون ۱۹۷۵ء سے تیس اکتوبر ۱۹۷۸ء تک کرسی صدارت کی رونق بڑھاتے رہے آج کل آپ وہاں کی پاکستان (PPP) پیپلز پارٹی کے قائد ہیں۔

یہاں کی حکومت تعلیم کو فروغ دینے کے لئے ترجیحی بنیادوں پر اس علاقہ کی پسماندگی اور جہالت کو ختم کرنے میں مصروف ہے چنانچہ اس دوران وہاں چالیس ڈگری اور انٹر کالج کھولے گئے ہیں لیکن تعلیم کے معیار میں ابھی تک نمایاں بہتری نہیں لائی جا سکی ہے یہاں دستکاریوں کا فروغ نمایاں ترقی ہے جن میں قالین بافی۔ نمدے گبنے لکڑی پر گلکاری کا کام پیپر ماشی۔ اُونی شال اور پٹو قابل ذکر ہیں یہاں کی پیداوار میں اِن

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

چیزوں کا شمار ہوتا ہے۔ شہد گچھیاں۔ اخروٹ۔ سیب۔ جڑی بوٹیاں۔ گندہ بروزہ۔ دیودار
چیل وفر اور دیگر اقسام کی عمارتی لکڑی وغیرہ وغیرہ۔

ہم نے ایبٹ آباد کے راستہ سے اسلام آباد جانا تھا۔ مظفر آباد سے ایبٹ آباد ستر کلومیٹر ہے آگے مختلف راستوں سے مختلف فاصلہ ہے مظفر آباد سے چل کر ہم لوہار گلی تھوڑی دیر کے لئے مظفر آباد کے اِرد گرد کا نظارہ آخری بار کرنے کے لئے رکے اس کے بعد برار کوٹ آتا ہے جس کا اصلی نام رام کوٹ ہے آگے صوبہ سرحد شروع ہو جاتا ہے رام کوٹ یا برار کوٹ جو بھی کہیں یہ اُس حکومت کا آخری پڑاؤ ہے اس کے بعد گڑھی حبیب اللہ آتی ہے جو صوبہ سرحد کا پہلا قصبہ ہے اس کے بعد ہم مانسہرہ میں شاہراہ ریشم یا قراقرم کا مشاہدہ کرنے کے لئے رکے یہ شاہراہ جو آٹھ صد چار کلومیٹر لمبی ہے حویلیاں (جو اسلام آباد سے ایک صد کلومیٹر ہے) سے شروع ہو کر خنجراب درہ جسکی اونچائی ۴۷۰۲ میٹر ہے وہاں تک جاتی ہے اس سے آگے یہ چین کی حدود میں داخل ہو جاتی ہے یہ دو راستہ والی پکی سڑک ۱۹۶۵ء میں شروع ہو کر کے پاکستانی فوج کے انجینئروں نے چینی ماہرین کی مدد سے پندرہ سال میں مکمل کی ہے یہ دنیا کا آٹھواں عجوبہ بھی مانی جاتی ہے یہ تقریباً وہی قدیم راستہ ہے جس سے سلک روٹ کے نام سے جانا جاتا تھا جس راستہ سے ماضی میں سنٹرل ایشیا سے تجارت ہوتی تھی اس شاہراہ پر بدھ دور اور گندھارا عہد کے آثار قابل ذکر ہیں یہ شاہراہ حویلیاں۔ ایبٹ آباد۔ مانسہرہ۔ تھاکوٹ۔ بشم۔ پٹن سنریں چلاس۔ گلگت ھنزہ سے ہوتی ہوئی خنجراب درہ پار کرتی ہے۔

مانسہرہ کے بعد ہم ایبٹ آباد کھانا کھانے کے لئے رکے اور وہاں سے حویلیاں ہری پور ہزارہ کے راستے اسلام آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ آج سے چالیس سال پہلے بھی یہ ریلوے لائن حویلیاں تک ہی آتی تھی اور ابھی وہاں تک ہی ہے اِن چالیس سالوں میں آگے تعمیر نہیں ہو سکی۔ ایبٹ آباد کے بعد ہم حسن ابدال یعنی پنجہ صاحب رکے یہ چھوٹا سا قصبہ ہے یہاں سے اسلام آباد اٹھتالیس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے یہاں پر وہ متبرک چٹان ہے، جس کو گرو نانک دیو نے اپنے ہاتھ سے روک لیا تھا اس چٹان پر گرو مہاراج کی انگلیوں کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

نشان ابھرے ہوئے ہیں ۔اس جگہ کے نیچے ایک صاف شفاف پانی کا جھرنا ہے جو ایک خوبصورت پختہ تالاب کی شکل میں بنایا ہوا ہے اس تالاب کے چاروں طرف بہت بڑی عمارات تعمیر ہیں جن میں سنگت کے ٹھہرنے کا انتظام کیا جاتا ہے تالاب کے بیچ میں ایک خوبصورت گردوارہ ہے جہاں دنیا بھر کے سکھ بھائی ہزاروں کی تعداد میں یاترا کرنے آتے ہیں یہاں پر بیساکھی اور گرونانک دیو مہاراج کے جنم دن پر میلہ لگتا ہے جب ہزاروں کی تعداد میں سکھ زائرین پوتر پنج صاحب کے درشن کرنے آتے ہیں ۔اس استھان کے سامنے ہی ایک مسلمان سنت صوفی باباواہ کی بھی زیارت شریف ہے ہم نے خصوصی اجازت حاصل کرکے پنجہ صاحب کے درشن تو کر لئے لیکن باباواہ کی زیارت نہ کر سکے کیونکہ وہ مقفل ہو چکی تھی۔

حسن ابدال سے تیرہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ٹیکسلا کا قدیم تاریخی شہر آتا ہے یہ اسلام آباد سے ۳۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے یہ آثار قدیمہ کے مرکز کے طور پر دنیا بھر میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے یہاں ہزاروں سال پرانی گندھارتہذیب فن تعمیر اور مورتی کلا کی امین ہے آج کے خلائی دور کا انسان جب یہاں پہنچتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ڈھائی ہزار سال پرانے نوجوان کے لبادے میں محسوس کرتا ہے ۔یہاں آپ پورے قد آور بدھ کا سامنا کرتے ہیں جس کی مخمور بڑی بڑی آنکھیں دیکھ کر آپ حیران ہوئے بنا نہیں رہ سکتے ۔یہاں آپ کی ملاقات سکندر اعظم سے ہوتی ہے یہاں آپ بدھ سمراٹ اشوک کی بھرپور جھلک دیکھتے ہیں اور آخر میں مہاراجہ کنشک کے دور کے آثار ہر سمت دیکھنے کو ملتے ہیں ٹیکسلا کا جتنا بھی تذکرہ کیا جائے تھوڑا ہو گا۔

کشان دور میں جب یہاں کی تہذیب اپنے عروج پر تھی ٹیکسلا قریب دو صدی تک درس و تدریس کا مرکز رہا ہے ۔یہاں زائرین اور سیاح چین و دیگر وسطی ایشیا کے دور دراز ممالک سے آتے رہے ہیں ۔یہاں گندھارہ (جس کی حدود مختلف بیان کی جاتی ہے کبھی اس علاقے سے مراد چارسدہ پشاور اور ٹیکسلا تک ہی ہے ۔کبھی اس کی حدود بلخ سے لے کر کشمیر تک پھیلی بتائی جاتی ہے) فن سنگ تراشی کے نایاب نمونہ جات کے علاوہ مہاتما بدھ کی چھوٹی بڑی لاتعداد مورتیاں ملتی ہیں ۔آپ فن سنگ تراشی کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

پرستار نہ بھی ہوں تو بھی آپ کو یہ احساس ضرور ہی ہوگا کہ گندھار عہد کے سنگ تراش ہی بدھ اور اُس کے دور کے ظہور پذیر ہونے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یہاں کھدائی شدہ قدیم شہروں کے آثار بھی ہیں جن میں تین شہروں کی کھدائی قابل ذکر ہے پہلا بیر مانڈ ہے یہ ڈھائی ہزار سال کی پرانی تہذیب کی اعکاسی کرتا ہے۔ اس کی بے ترتیب گلیاں گھروں کی ساخت اس کا قدیم ہونے کی گواہی دیتی ہے دوسرا سرکپ ہے یہ لگ بھگ دو ہزار سال پرانا ہے تیسرا سرسکھ ہے جو کشاں دور کے راجاؤں کا آباد کیا ہوا ہے یہ پہلے دو شہروں سے کچھ جدید طرز کا ہے۔ اس کی کھدائی ابھی تک مکمل نہیں ہو سکی ہے۔ ان کے علاوہ بدھ مت کے بہت سے ستوپا بھی ہیں جن میں دھرمار اجیکہ پرسدھ ہے یہ ٹیکسلا میوزیم کے دو میل مشرق میں واقع ہے۔ اس کی ایک مرکزی عمارت عبادت گاہ ہے جسمیں مہنت رہائش پذیر تھے اور دیگر چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن میں مہاتما بدھ کے پوتر آثار۔ سونے چاندی کے سکے اور جواہرت پائے گئے تھے جن کو ٹیکسلا کے میوزیم میں رکھا ہوا ہے۔ ٹیکسلا کی تحقیق کی سمت لامحدود ہے۔ جس میں ابھی کتنے ہی آثار دفن ہیں جو اپنی تحقیق کے انتظار میں ہیں۔

ٹیکسلا میں آثار قدیمہ کا ایک بہت ہی پرانا اور خوبصورت میوزیم ہے جو اس وقت بند تھا اور ہم دیکھ نہیں سکے۔

ٹیکسلا سے چل کر ہم ایک چھوٹے راستہ سے راولپنڈی جائے بغیر سیدھے اسلام آباد پہنچ گئے۔ اسلام آباد آ کر معلوم ہوا کہ بے جی کا ٹیلی فون آیا تھا وہ ہمارے بغیر ان سے ملکر آنے پر بہت ہی ناراض ہیں ان کی ناراضگی بالکل جائز تھی ہم نے بھی بہت محسوس کیا کہ کچھ بھی ہوتا ہمیں کم سے کم ان سے ملکر اور ان کی اجازت لیکر آنا چاہئے تھا دوسرے دن ہی شیخ قیوم صاحب نے بھی ٹیلی فون پر بتایا کہ ہم تو جلدی میں چلے آئے بعد میں بہت سے ملنے والے اُن سے پوچھ رہے تھے کہ ہم کیوں اتنی جلدی واپس آ گئے ان کا کہنا تھا کہ اب وہ سب ان کو تنگ کر رہے ہیں جس کے لئے وہ ہی ان کے سامنے جواب دے ہیں۔ اُسی دن جناب عبدالرحمٰن ایم۔ایل۔اے جو میرے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitized by eGangotri

ٹیلی فون آیا ان کا کہنا تھا کہ مظفر آباد میں ان کو میری آمد کا علم ہی نہیں ہوا اور جب معلوم ہوا تو میں واپس آچکا تھا وہ مجھ سے ملنے کے ازحد خواہش مند تھے انھوں نے مزید یہ بھی کہا کہ وہ کوشش کریں گے چھ اپریل سے پہلے وہ مجھے اسلام آباد ملنے کے لئے تشریف لائیں گے۔ دو دن بعد مجھے شیخ قیوم صاحب کی چھٹی بھی موصول ہوئی جس میں لکھا تھا کہ میرے آنے کے بعد میرے بہت سے شاگرد مجھے ملنے کے لئے ان سے دریافت کرتے رہے لیکن وہ کچھ کر نہیں سکتے تھے میں تو چلا ہی آیا تھا جو خدا کی مرضی ہوتی ہے وہی ہوتا ہے بشر کچھ بھی اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ میں بھی اس کی مرضی کا احترام کرتے ہوئے ان سے معذرت ہی پیش کر سکتا تھا پہلے مجھے یہ بھی خیال آیا کہ ایک دو دن کے لئے ہوائی جہاز سے جا کر ہو آؤں اور سب کے گلے شکوے دور کر سکوں لیکن تب ایسا کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ بہر حال میں نے اسلام آباد سے ہی عبدالرحمان صاحب مسٹر خالد مظفر محترمہ جنت خاتون (بے جی) عامر ملک اور شیخ قیوم صاحب کو چھٹیاں لکھیں جن میں اپنے اچانک چلے آنے کے لئے پرزور الفاظ میں معذرت پیش کی۔

مظفر آباد سے آنے کے بعد ہم دو تین دن اسلام آباد ہی رہے اس دوران قیوم لالہ بھی اسلام آباد تشریف لائے جس سے کچھ زیادہ رونق ہوگئی ان سے بہت سی پرانی باتیں ہوتی رہیں، ہم نے چھ اپریل کو دوپہر بعد کی گاڑی سے لاہور آنا تھا اور سات اپریل کو صبح (پاکستانی وقت کے مطابق) ساڑھے نو بجے ہماری دہلی کے لئے اڑان تھی پانچ اپریل کی رات کو ہم سب آدھی رات تک باتیں کرتے رہے مظفر نے بتایا جس دن مظفر آباد پر قبائلی حملہ ہوا اس دن کچھ قبائلی ایک نوجوان لڑکی کے پیچھے لگے ہوئے تھے اور وہ جان اور عزت بچانے کے لئے کماد کے کھیت میں چھپ گئی مظفر نے ان قبائلیوں کو گمراہ کر کے دوسری جانب روانہ کر دیا وہ لڑکی مظفر کو دیکھ کر زار زار رونے لگی اس کی ایسی بری حالت دیکھ کر وہ اسے گھر لے آیا بھاگتے بھاگتے اس کے کپڑے بالکل تار تار ہوگئے تھے اس کو دوسرے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

کپڑے پہننے کے لئے دیئے گئے اور رات رات میں ہی اس شہر سے باہر گاؤں کے گھر میں چھوڑ آئے
اُسی رات بعد میں اُس خاتون کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ بعد میں وہ خاتون اپنے بچے کے ساتھ
ریڈ کراس کے ذریعہ ہندوستان بھیج دی گئی تھی۔ مظفر جاننا چاہتا تھا کہ وہ لڑکا اب کیسا ہے
اور کیا کرتا ہے اس کو اُس لڑکی کا نام بالکل یاد نہیں تھا اس لئے میں بھی اس کے متعلق
نہیں بتا سکا۔ بہر حال یہاں واپس آکر پتہ چلا وہ لڑکی جواب لڑکوں اور پوتوں کی ماں بنی
ہوئی ہے ہماری رشتیدار ہی ہے اُس نے بھی اس واقعہ کی تصدیق کی۔

مظفر کے بڑے لڑکے اطہر سبھی کی شادی اکتوبر۔ یا نومبر کے شروع میں ہونی طے پائی تھی
شادی کو بالکل سادگی سے ہونی تھی لیکن ملک صاحب کا خیال تھا کہ وہ اس موقع پر اپنے
سبھی پرانے ہندو دوستوں کو بھی مدعو کریں گے اس طرح سے اپنے سب پرانے ساتھیوں
کا ملن ہو سکے گا۔ اس لئے وہ سبھی دوستوں کی فہرست پاکستان کے وزارت خارجہ کے
پاس اس درخواست کے ساتھ ارسال کرے گا کہ ان کو شادی کی دعوت پر آنے کیلئے
ویزا دیں اور وہ ان سب دوستوں کو بھی اپنی طرف سے دعوت نامے ارسال کریں گے
کچھ دوستوں کے ایڈرس مجھے یاد تھے وہ میں نے انھیں بتا دیئے۔ اس طرح سے بہت
سی باتیں کرتے کرتے آدھی رات ہو گئی۔

چھ اپریل ملک صاحب اور قیوم لالہ ہمیں راولپنڈی ریلوے سٹیشن پر الوداع کرنے
آئے۔ نہایت ہی بوجھل من سے ہم ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر رخصت ہوئے راستہ بھر
میں اور ساوتری ان سب کی باتیں کرتے رہے بھابی نے چائے بنا کر ہمیں ساتھ دی ہوئی
تھی اور پانی بھی ایک واٹر کولر میں بھر کر دیا تھا ساتھ میں کھانے کا سامان بھی تھا
ہم نے چائے دو تین بار پی اور بسکٹ کھائے ساتھ ہی ساتھ ان کے خلوص اور پیار
کو یاد کرتے رہے۔ ساوتری مجھ سے کہنے لگی کہ میرے شاگردوں کا پیار۔ خلوص اور
ان کے دلوں میں اسقدر حقیقی عزت و احترام دیکھ کر لگ رہا تھا کہ میں ان کے پاس ہی
نہ رک جاؤں۔ بہر حال ایسا کہاں ممکن تھا میں ہندوستان کا شہری ہوں اور صرف
پندرہ دن کا ویزا حاصل کر کے گیا تھا کہ دیار وطن کی ایک بار پھر زیارت کر سکوں۔ باتوں

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

ہی باتوں میں پانچ گھنٹے گزر گئے اور لاہو کا سٹیشن آگیا وہاں سٹیشن پر نیاز صاحب ہمیں لینے آئے تھے اگلے دن صبح ناشتہ کروا کر نیاز صاحب پھر ہمیں ایر پورٹ پر بھی چھوڑنے آئے اور جب تک ہمارے کاغذات کی جانچ پڑتال ہوتی رہی وہ ہمارے ساتھ ہی رکے رہے جب ہم سکورٹی لانج میں جانے لگے تب نیاز صاحب نے ہم سے رخصت لی۔ وہاں سے ہم نے ملک صاحب سے ٹیلی فون پر بات کی کہ ہم بالکل خیریت سے یہاں تک آگئے ہیں اور کچھ ہی دیر میں ہماری اُڑان جانے والی ہے جس سے ہم دہلی خیریت سے پہنچ جائیں گے دہلی ہوائی اڈہ پر ہمارا ہوائی جہاز ہندوستانی وقت کے مطابق ساڑھے دس بجے لینڈ کیا لیکن وہاں ویزا وغیرہ کے کاغذات کی جانچ پڑتال کے لئے کافی لمبی لائین تھی اس لئے ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت لگ گیا پھر بھی ہم بارہ بجے تک دہلی اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ایک خواب دیکھ رہے تھے اور جب بیدار ہوئے تو اپنے بستر پر سو کر اُٹھ رہے تھے۔

یہ سفر ہم دونوں کی زندگی میں ایک تاریخی واقعہ کی نوعیت رکھتا ہے ساوتری زندگی میں پہلی بار سسرال گئی تھی اور وہاں اس کو سسرال کی طرح کا پیارا در آدر بھگت بھی ملی۔ سسرال کی طرف سے تحفے بھی ملے اگر وہاں کچھ زیادہ دن ٹھہر سکتی تو اس کے لئے دو چار سال کے لئے کپڑے وغیرہ خرید کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مجھے تو اپنے شاگردوں اور دوستوں سے ملکر اسقدر خوشی ملی جو میرے بیان سے باہر کی چیز ہے مجھے کبھی اس بات کا احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ میرے شاگرد میرا اتنا احترام کرتے ہیں اور چالیس سال گزرنے کے بعد بھی آجتک اُن کے دلوں میں میرے لئے اسقدر محبت اور خلوص موجود ہے آنے سے پہلے انھوں نے خواجہ عثمان کے گھر دعوت کے دوران مجھ سے ذکر کیا کہ جب ۱۹۵۰ ایس میں اچانک وہاں سے لاہور پڑھنے کے لئے چلا آیا تھا تو ان کو سوجھ نہیں رہا تھا کہ وہ کیا کریں اور کس سے تعلیم حاصل کریں حساب (ریاضی) پڑھانے والا تو کوئی استاد موجود ہی نہیں تھا پھر ایک پی ڈبلیو ڈی کے اوسیر کی خدمات حاصل کی گئیں جو انکو ریاضی کی تعلیم دینے میں تھوڑی بہت مدد کرتے رہے لیکن میری کمی پوری نہیں ہو سکی صرف گذارہ کرنے والی بات تھی۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

واپسی

لاہور سے واپسی پر چند دن دہلی قیام کرنے کے بعد جموں چلا آیا۔ یہاں آکر مجھے بہت سے خطوط اپنے احباب اور شاگردوں کے موصول ہوئے جن میں کچھ تو شکریہ کے تھے، لیکن زیادہ تر شکوہ کے تھے جن میں اس بات پر دکھ کا اظہار تھا کہ میں اچانک ہی عجلت میں وہاں سے واپس آگیا۔

سب سے پہلے خالد مظفر صاحب کی چٹھی موصول ہوئی دراصل خالد صاحب کو میں یہ کہہ کر چھتر سکریٹریٹ کیا گیا تھا میں پھر ان کے پاس آؤں گا وہ شاید میرا کچھ سندیش نشر کرنا چاہتے تھے لیکن میں ایسا نہ کرسکا اور چھتر سے سیدھا اسلام آباد کے لئے روانہ ہو آیا تھا اور اسلام آباد سے میں نے ان کو معذرت کی چٹھی لکھی تھی جس کے جواب میں انھوں نے تحریر کیا تھا کہ ان کو میرے اچانک چلے آنے سے حیرانگی بھی ہوئی اور دکھ بھی ہوا۔ اس چٹھی کی فوٹو کاپی دے رہا ہوں۔

اسی طرح کی ایک چٹھی جناب عبدالرحمان ایم۔ایل۔اے کی بھی موصول ہوئی جس میں انھوں نے میرے ساتھ ملاقات نہ کرسکنے کے لئے دکھ کا اظہار کیا وہ راولپنڈی اسلام آباد بھی مجھے ملنے کے لئے آنا چاہتے تھے لیکن انھیں مظفر آباد میں وزیر اعظم صاحب نے کسی ضروری میٹنگ کے لئے روک لیا تھا اس لئے آ نہیں سکے۔ اس چٹھی کی بھی فوٹو کاپی دے رہا ہوں۔

ایک چٹھی مجھے عبدالرشید صاحب کی موصول ہوئی انھیں میں پہلی ملاقات کے

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

بعد مل ہی نہیں سکا تھا ان کا خیال تھا کہ میں کچھ دن وہاں رکوں گا۔ انھوں نے خالد صاحب سے میرا ایڈریس حاصل کر کے یہ چٹھی ارسال کی تھی جسکے ساتھ عید کارڈ اور مظفر آباد شہر کے دو فوٹو بھی تھے۔ چٹھی میں انھوں نے اس بات کے لئے دکھ کا اظہار کیا تھا کہ پھر ان سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی بہر حال اِس بات کی بھی انہیں مسرت تھی کہ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی وہ اپنے استاد محترم کا شرف ملاقات حاصل کر سکے مزید لکھا تھا کہ کبھی پھر آنے کا ارادہ ہو تو پہلے سے اطلاع کر کے آؤں تاکہ سب کو خبر کی جا سکے اس چٹھی کی بھی نقل حاضر ہے۔

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri

CC-0 Kashmir Research Institute. Digitzed by eGangotri